© rasailojaraid.com

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کا نظریہ انقلاب

حافظ طارق محمود اعوان

تمہید انسانی معاشرے میں مقام و مرتبت کا تعین کمال شخصیت کی بنیاد پہ ہوتا ہے اور معیار کمال فرد کے رنگ ونسل قبیلہ یا علاقہ مخصوص کے بجائے پاکیزگی فکر، طہارت جذبات اور حسن عمل ہوا کرتا ہے، جب زوال سیرت کی وجہ سے قومیں زوال کا شکار ہوتی ہیں تو تعین حیثیت و مرتبت کا یہ معیار نظروں سے اوجھل ہونے لگتا ہے اور بالآخر فضائل حیات کے ملحوظ خاطر نہ رہنے کی وجہ سے جب افراد لذت اندوزی، ہوس انگیزی اور معصیت کوشی کا شکار ہو جاتے ہیں تو خواہش پرست معاشرے میں شناخت اور قدر و قیمت کے معیار بدل جایا کرتے ہیں، ایسی صورت حال میں انسان کے پاس دو راستے ہوتے ہیں یا تو خواہش پرست حیوانی معاشرے کے ساتھ سمجھوتہ کرکے آسودگی ذات کا حیلہ کرے یا پھر اس اجنبی معاشرے میں اپنے اعلیٰ تر نصب العین حیات کے ساتھ وفاداری کی قیمت ادا کرتے ہوئے کسمپرسی کی زندگی پر قناعت کرکے اعلیٰ تر مقاصد کے لیے جد و جہد کرنے والوں کے لیے تا قیامت نمونۂ عمل بن جائے۔

ڈاکٹر فاروقی نے مؤخر الذکر راہ کا انتخاب فرمایا، یہ دعویٰ میں کسی عقیدت میں مبتلا ہو کے نہیں کر رہا بلکہ بر بنائے بصیرت ذاتی مشاہدات، تجربات اور حقیقی شواہد کو دلیل بنا کے حقیقت حال بیان کر رہا ہوں۔

ڈاکٹر فاروقی جب اس مملکت خداداد (پاکستان) میں آئے تو در دملت رکھنے والے پی۔ ایچ۔ ڈی ڈگری ہولڈر استاد کو ریونیو کے محکمے میں ایک معمولی ملازمت دی گئی، بعدہٗ آپ کو ایک تعلیمی ادارے کے شعبۂ تحقیق کا صدر بنایا گیا آپ کی اہلیت کے پیش نظر روزنامہ الیسٹرن ٹائم نے آپ پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اڈیٹوریل نوٹ لکھتے ہو لکھا "علامہ اقبال کے نظریے پر مملکت خداداد (پاکستان) وجود میں تو آگئی ہے اب اس کے قیام کے بعد اس کی بقا اور نظریے کے مطابق ڈھلنے میں جو مشکلات پیدا کی جائیں گی ان کے حل کی ڈاکٹر فاروقی کے سوا پاکستان میں موجود کسی مفکر میں اہلیت نہیں ہے"۔ یہ ہماری قومی بدقسمتی ہے کہ کسی ماتحت میں کوئی قابلیت آجاگر ہو جائے تو ہم اس کو کام میں لانے کی بجائے اس سے خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور اس ماتحت کو ایسی جگہ پھینکتے ہیں کہ وہ پھر نکل نہ سکے چنانچہ اس ادارتی نوٹ سے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا اور آپ سے استعفیٰ طلب کر لیا گیا پھر آپ کو شعبہ اسلامیات میں پوسٹ گریجوایٹ کلاسز کی تدریس پر لیکچرر کی بنیاد پر (LECUTRER BACES) رکھا گیا اور آپ کو مستقل ملازمت فراہم نہیں کی گئی مجھے آج بھی ہمارے لیے نمونہ استقلال ہستی کے ذاتی الفاظ کی بازگشت سنائی دے رہی ہے "ایک مہتر سے بھی کم مشاہرہ ملتا اور یونیورسٹی کے رجسٹر گواہ ہیں کہ چھ چھ مہینے حساب نہیں کیا جاتا تھا" لیکن کوئی مصلحت، کوئی پریشانی، کوئی مسئلہ اس بندۂ مومن کو راہ حق سے متزلزل کر سکا، غلط بات پر سمجھوتہ اس کے ہاں کفر سمجھا جاتا ہے ان کے اقوال و اعمال اور افکار و نظریات میں ایسی مومنانہ شان پائی جاتی ہے کہ اخلاص و للہیت سے عاری قحط الرجال کے اس دور میں، نیکی کا ہر آرزومند شخص اسے بطور مثال سامنے رکھ کے نئے یقین و اعتماد سے شاہراہ حق پر کامیابی کے یقین کے ساتھ آغاز سفر کر سکتا ہے۔

تنہائی میں جب کبھی ان کی مومنانہ صفات شخصیت کا موازنہ اپنے آپ سے کیا تو مطابقت کم اور اختلاف زیادہ محسوس ہوا، یہی احساس ندامت ان کے حوالے سے کچھ لکھنے میں مانع رہا، ڈاکٹر صاحب کی پوری زندگی کے مومنانہ نتائج فکر کو "نظریۂ انقلاب" کے عنوان کے تحت سپرد قلم کر رہا ہوں، یہ تحقیقی کام استاد صاحب کی زیر نگرانی آپ کی بارگاہ میں بیٹھ کر سرانجام دیا تھا اور اب اختصاراً اسے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

میری حیثیت حکم کی نہیں بلکہ آپ کے نظریۂ انقلاب کو حسب استطاعت پیش کنندہ کی ہے اس نظریے میں کیا نقص ہے؟ اور کیا کمال؟ اس کی نشاندھی قارئین کرام کا کام ہے۔

استاد ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی ولادت ۱۹۰۵ء میں امروہہ میں ہوئی ابتدائی تعلیم ملتان سے حاصل کی، گریجوایشن سے لے کر پی ایچ ڈی تک کی اعلیٰ تعلیم علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں پائی، استاد محترم نے فلسفۂ جدید کے موضوعات پر خصوصی تربیت علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ فلسفہ کے صدر اور برصغیر پاک و ہند کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معروف فلسفی ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب سے حاصل کی۔
علامہ اقبالؒ کی تجویز پر سید ظفر الحسن صاحب کی زیر نگرانی "حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نظریہ توحید" پر ایک مقالہ لکھا جس پر یونیورسٹی کی طرف سے آپ کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی گئی، اس مقالے کی بنیاد پر ہی تشخص کے حوالے سے، علامہ اقبالؒ کے تصور پاکستان کی اساس پر مسلمانانِ ہند کو علیحدہ مملکت کے مطالبے کا قانونی حق حاصل ہوگیا، یہ مقالہ ۱۹۴۰ء میں چھپا اور اب بھی اس کا شمار بین الاقوامی طور پر حوالے کی کتب میں ہوتا ہے۔

قائد اعظمؒ کے حکم پر ایک سال تک تعلیمی کمیٹی کے لیے کام کیا، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، زمیندار کالج گجرات، اسلامیہ کالج جالندھر، پنجاب یونیورسٹی لاہور اور ایم اے او کالج لاہور سے فلسفہ و اسلامیات کی تدریس کے حوالے سے منسلک رہے۔

۱۴ جولائی ۱۹۹۵ء بروز جمعہ اتفاق ہسپتال لاہور میں وصال ہوا بعد از نماز عشاء ۹ بجے شب راقم الحروف نے نماز جنازہ پڑھائی، آپ کو میانی صاحب (لاہور) کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا ہے۔

مفہوم انقلاب

انقلب ینقلب کا مطلب ہے، پھرنا، مڑنا، لوٹنا جیسا کہ ارشادِ باری ہے: ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا (اور جو لٹے پاؤں پھرے وہ خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا) یہ تو لفظ انقلاب کا لغوی مفہوم تھا، قومی زندگی کے حوالے سے غور کریں تو انقلاب قومی غایت کا شعور پیدا کرکے اپنے مقاصد کے ساتھ ماحول کو سازگار بنانے کی اس ارادی جدوجہد کا نام ہے جس میں کامیابی کی یقینی ضمانت موجود ہو۔

انقلاب اور اشتعال میں فرق

اشتعالی سرگرمیاں بظاہر بہت ولولہ انگیز ہوتی ہیں لیکن وقتی اشتعالی تحریب میں حقیقی کامیابی کی ضمانت نہیں ہوتی بلکہ مقصد کے ساتھ سنجیدہ وابستگی کے نہ ہونے کی وجہ سے مسلسل منصوبہ بندی سے غفلت، تصادم کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مختلف احوال کی بے خطا پیش بینی کی صلاحیت سے محرومی اور جوابًا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ردِ عمل کے طور پر اپنا قومی دفاع نہ کر سکنے کی وجہ سے اشتعالی سرگرمیوں کے نتیجے میں قومیں زوال کا شکار ہو جاتی ہیں، انقلابی جدوجہد ہمہ گیر ارتقار کی حامل ہوتی ہے، اس میں کامیابی کے یقین کی اساس متعین ہوتی ہے اور اس بات کی حتمی ضمانت موجود ہو جاتی ہے کہ یہ جدوجہد تخریب محض پہ منتج نہیں ہوگی، جبکہ اشتعالی سرگرمیوں کے نتیجے میں قومیں اپنے قومی ورثے کی حفاظت نہ کر سکنے کی وجہ سے ناکامی کے تجربات سے گذر کر اضمحلال و انتشار، زوالِ سیرت، بے اعتمادی اور مایوسی کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں اور بالآخر کامیابی کے یقین سے محرومی ان کے ہست و نیست کو برابر کر دیتی ہے۔

غیر جانبداری سے اشتعال و انقلاب کے ان امتیازات کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے انقلابی قیادت کے دعویداران کی ناکامی کے اسباب کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے، ان امتیازات کو ملحوظِ خاطر نہ رکھنے والے، مردہ مابعد الطبعیاتی عقائد اور رسوم و ظواہر کی حفاظت کے لیے جان کی بازی لگانے والوں کی ناکامی کے اسباب یہ ہیں:

نہ حیات بخشی کا ضامن نصب العین پیشِ نظر ہے نہ نصب العین کے حاصل ہو کے رہنے کے یقین کی اساس، نہ وہ زاویۂ نگاہ ہے جس میں تمام افرادِ ملت کے اتحاد کی ضمانت ہو اور نہ وہ کلی (عالمگیر)، مثبت، قابلِ عمل، ولولہ انگیز، حتمی قطعی اور یقیناً نتیجہ خیز لائحہ عمل جس میں حصولِ نصب العین کی ضمانت ہو، نہ وہ معیار ہے جس سے حصولِ نصب العین کی جدوجہد کو پرکھا جا سکے اور نہ وہ محرک جو حصولِ نصب العین کی جدوجہد میں انحراف کے تمام میلانات پر غالب آ کے استقامت کا موجب ہو۔

انقلاب کے نام پر کی جانے والی اشتعال انگیزیوں کا نتیجہ یہ ہے کہ بے جان عقائد، فرقہ پرستانہ آرزوئیں اور مفاد پرستانہ گروہ بندیاں پیغمبرانہ راہِ حق پرستی متصور ہوتی ہیں جن کی رو سے متحد ہونا کفر اور فرقہ پرستانہ منافرت کا اظہار دینی حمیت کا تقاضہ بن گیا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

اس افسوسناک صورت حال میں جب دشمنی کا شکار ہو کے اپنے فکر و عمل کے حوالے سے ہمہ گیر انقلابی اصلاح کی آرزو ماند پڑتی جا رہی ہو، ڈاکٹر فاروقی انقلاب کا وقتی نعرہ لگانے کے بجائے تاریخِ فکر میں ایک باب کا اضافہ کرتے ہوئے بطورِ علم مدلل ثابت کرتے ہیں کہ حیاتِ انسانی کی ہر سطح پر اصلاح ہوگی تو فقط قرآن حکیم سے میسر آنے والی ہدایت کی پیروی سے، پھر اپنی مومنانہ بصیرت کی وجہ سے محض لفظی تک نہیں رہتے بلکہ اپنے نظریۂ انقلاب کی تائید میں تاریخی شہادت بھی فراہم کرتے ہیں، پھر بات محض نظریاتی حد تک نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہتی بلکہ ڈاکٹر فاروقی قرآن حکیم کے حوالے سے انقلابی اصولوں کی نشاندھی بھی فرماتے ہیں جن میں کامیابی کی حتمی قطعی شہادت موجود ہے۔

ڈاکٹر فاروقی کے نظریۂ انقلاب کی تشکیل و ترتیب میں آپ کی وہ مؤمنانہ فراست کارفرما ہے جو آپ کو مؤمنانہ صفات شخصیت کی وجہ سے عطا ہوئی۔ لہٰذا نظریاتی تشکیل میں کارفرما ان مؤمنانہ صفات کا ذکر کیے بغیر نہ تو آپ کے نظریۂ انقلاب کو کما حقہٗ سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کی بنیاد پر عملاً جدوجہد کا آغاز ہو سکتا ہے۔

نظریاتی تشکیل میں کارفرما مؤمنانہ صفات

جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ ڈاکٹر فاروقی کی فکر سے استفادے کی شرط ان مؤمنانہ صفات سے متصف ہونا ہے جو آپ کے نظریات و افکار کی تشکیل میں بطور محرک کام کر رہی تھیں، ڈاکٹر صاحب ایک دفعہ فرمانے لگے لوگ دین اور جیومیٹری کے مسئلے میں فرق نہیں کرتے جیومیٹری کا مسئلہ فقط یہ ہے

THETWO ANGLESOF A TRIANGLE GREATER THAN THE THIRD

یعنی ایک مثلث کے دو زاویے تیسرے سے بڑے ہیں اور بس جب کہ دین کا مسئلہ یہ ہے کہ زندگی ان فضائل سے متصف ہو جن کو دین کمال حیات کے لیے ضروری قرار دیتا ہے۔ آپ یقین کریں اگر ان مؤمنانہ صفات کا لحاظ رکھ کے ان کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش نہ کی جائے تو نظریات برہان احمد فاروقی سے اجتماعی استفادہ ممکن نہیں رہتا۔

استاد صاحب کو اکثر شکایت رہتی تھی کہ لوگوں نے میرے الفاظ (مثلاً منہاج القرآن وغیرہ) کو تو لے لیا ہے لیکن میرے مقصد (حیات) میں شراکت کو گوارا نہیں کرتے، ایک دفعہ جوش میں آ کر فرمانے لگے "کتاب کاغذوں کا ایک ڈھیر ہے وہ مفید اسی وقت ہو سکتی ہے جب قاری اور صاحب کتاب کا مقصد اور زاویۂ نگاہ ایک ہو"۔

اب میں معدودے چند ان مؤمنانہ صفات کی نشاندھی کروں گا جو آپ کے نظریۂ انقلاب کے فہم و استفادہ کے لیے شرط اولین کا درجہ رکھتی ہیں اور اپنی خود غرضی کی وجہ سے جن کی بنیاد پر ہم ڈاکٹر فاروقی کی شخصیت و افکار کو وہ حیثیت نہ دے سکے جس کا انہیں استحقاق تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میری بیان کردہ معروضات سنی سنائی نہیں بلکہ ان کا انحصار یا تو میرے ذاتی مشاہدات و تجربات پر ہے یا پھر ان کی روایت کا سلسلہ انتہا خود ڈاکٹر صاحب کی ذات گرامی ہے، پھر اگر ڈاکٹر صاحب سے میرا تعلق ایک دو ملاقاتوں تک محدود ہوتا تو ان روایات و مشاہدات کے بیان میں مجھے یقیناً تردد ہوتا لیکن چار سال تک آپ کے پاس بیٹھ کر تحقیقی کام کرنے اور استفادہ علم کے دوران اپنی ہر ملاقات میں (جس کا دورانیہ بعض اوقات بارہ گھنٹوں پر محیط ہوتا) میں نے اتحاد قول و عمل کی جو شان آپ کی ذات گرامی میں دیکھی اس کا تجربہ اس سے پہلے مجھے کبھی نہ ہوا تھا۔

منکسر المزاجی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

الکبریاء صفۃ لربنا، یعنی تکبر اللہ رب العزت ہی کو زیبا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے کبھی کسی حوالے سے تکبر اور علمی رعونت کا کبھی مظاہرہ نہ فرمایا، تواضع عاجزی اور انکساری آپ کی شخصیت کا جزو لاینفک تھا، آپ آغاز گفتگو بایں الفاظ فرماتے "میں کوئی عالم نہیں ہوں، میں تو جدید نظام تعلیم کا ایک کوڑھی ہوں" استاد صاحب اکثر فرمایا کرتے تحصیل علم کی بنیادی شرط یہ ہے کہ طالب علم علمی اعتبار سے اپنے آپ کو سب سے زیادہ مفلس سمجھے۔

ڈاکٹر فاروقی کی بے نفسی اور منکسر المزاجی کا اندازہ اس سے کریں کہ اپنی فکر کی بنیاد پر ذاتی قیادت و احترام کے آپ کبھی طلبگار نہ ہوئے، حقیقت یہ ہے کہ ان کی پوری زندگی " لا اسئلکم علیہ اجرا " کی شان کا مؤمنانہ مظہر تھی۔

ایک دن میں نے عرض کی آپ کی فکری اصابت کا سیکرٹ کیا ہے؟ فرمانے لگے "میں نے رب العالمین سے ایک وعدہ کیا ہے کہ خداوندا مجھے حق تک رسائی عطا کر دے اگر میں اپنی فکر کی بنیاد پر ذاتی قیادت کی آرزو کروں تو مجھے کافر کر کے مارنا، خدا کا کرم ہے اس نے اپنے فضل محض سے استقامت عطا فرمائی ہے اور وعدہ نبھوا دیا پھر فرمانے لگے " خدا نے یہ بات اچھی طرح آغاز ہی میں سمجھا دی تھی کہ جب فکر کے ساتھ ذاتی قیادت اور مرتبت وابستہ ہو جاتی ہے تو حجابات پیدا ہوتے ہیں کبھی حق سمجھ نہیں آسکتا" پھر بڑے کرب کے ساتھ فرمانے لگے یہاں ہر منکر "انا ولا غیری" کا موقف اختیار کر کے اپنی فکر کی بنیاد پر ذاتی عظمت کا خواہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، اگر ذاتی قیادت کے بجائے محرک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت کا قیام ہو تو تمام منکرین متحد ہو جائیں کیونکہ جب دل محبوب حجازی کی عظمت کے لیے دھڑکتا ہے تو باہمی افتراق کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

حسب معمول ایک صبح حاضر ہوا تو فرمانے لگے ہماری تاریخ ہم تک مسخ کر کے پہنچائی گئی ہے، کیا خدا کو خاتم النبیینؐ کے انتخاب میں غلطی لاحق ہوئی کہ (ہم تاریخ میں پڑھتے پڑھاتے ہیں کہ) حضور علیہ السلام کو اپنی وحی کے باب میں تردد تھا اور ایک یہودی عالم ورقہ بن نوفل کی تصدیق کی احتیاج لاحق ہوئی، میں نے عرض کی (اور یہ بات آپ ہی کے حوالے سے مجھے سمجھ آئی تھی) "حضور تردد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تھا بلکہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو تھا اور ورقہ بن نوفل کی تصدیق پر آپؓ کو اطمینان ہوگیا"، میری طرف دیکھ کر فرمانے لگے میرا جی کرتا ہے اپنی تمام تصنیفات یا تو استاد صاحب کے نام منسوب (DEDICATE) کر دوں کہ ان کے حوالے سے بات سمجھ میں آئی ہے یا اپنے شاگردوں کے نام کر دوں جن کی برکت سے بات سمجھ میں آئی۔ ڈاکٹر صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے میری فکر میں اگر کوئی غلطی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں کہ اسے پاؤں تلے روند دیا جائے۔ لیکن مجھے میری غلطی سے آگاہ تو کیا جائے۔

ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب (صدر شعبۂ فلسفہ علی گڑھ یونیورسٹی) کو ڈاکٹر اقبالؒ نے فرمایا کہ کانگریس مسلمانوں کے ملی تشخص کو ختم کرنے کے لیے وحدۃ الوجود کا سہارا لے سکتی ہے لہٰذا اپنے کسی معتمد شاگرد سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نظریۂ توحید کے حوالے سے توحید تنزیہی پر تحقیقی کام کروائیں، اس عظیم الشان کام کی ذمہ داری جب ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کے سپرد ہوئی تو آپ نے اپنے استاد محترم سے درخواست کی "میں اس وقت تک اس عنوان پر کام نہیں کروں گا جب تک ان تمام مدارج سلوک کو طے نہ کر لوں جن سے شیخ مجدد کا گذر ہوا"، اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ کا موقف توحید وجودی (وحدۃ الوجود) ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ موقف ان کے ذاتی کشف کا نتیجہ ہے جبکہ شیخ مجدد کو توحید تنزیہی (عرف عام میں وحدۃ الشہود) پر اصرار ہے اور وہ بھی اس کو اپنے ذاتی کشف کا نتیجہ سمجھتے ہیں لہٰذا کسی ایسے شخص کو جو خود صاحب کشف نہ ہو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ حکم بن کے کہے کہ یہ موقف صحیح ہے اور وہ غلط، اس پر حضرت مجددؒ کے رامپور کے صاحبزادوں میں سے پیر مصباح الدینؒ کو بلوایا گیا جو تین سال تک ڈاکٹر صاحب کی صحبت میں رہے اور ڈاکٹر صاحب کے بقول ان کی نظر فیض سے ان تمام مدارج کی معرفت ہوگئی جن سے شیخ مجددؒ کا گذر ہوا تھا، ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں اس بنیادی شرط کی تکمیل سے پہلے میں نے عملاً کام کا آغاز تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ کیا۔

ڈاکٹر صاحب کی بے نفسی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ پیر مصباح الدینؒ نے آپ کو چاروں سلاسل تصوف میں خلافت عطا فرمائی تو پیر صاحب کی خدمت میں عرض کی " میں پیری مریدی نہیں کروں گا۔ کیونکہ اس میں ذاتی قیادت وتربیت کی آرزو پیدا ہونے کا قوی امکان رہتا ہے۔

حق گوئی و بے باکی

ڈاکٹر صاحب کی ذات میں بے نفسی کے ساتھ ساتھ حق گوئی و بے باکی کی زالی شان تھی کہ آپ کی معیت میں بیٹھ کر اسلاف کے اوصاف کریمانہ کا عملی مشاہدہ ہونے لگتا " اشداء علی الکفار رحماء بینھم " کی مؤمنانہ صفات ہمیشہ ان کے ملحوظ خاطر رہتیں۔

ع جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم ۔۔۔ پہاڑوں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

اپنی اسی حق گوئی و بے باکی کی قلندرانہ شان کی وجہ سے وہ کسی اعلیٰ عہدے پر فائز نہ ہو سکے، جو بات، جو نظریہ اور جو طرز عمل کسی طرح سے بھی اسلامی اقدار سے متصادم محسوس ہوتا اس پر تنقید اپنا فرض اولین سمجھتے اور اس سلسلے میں اس کی کبھی پرواہ نہ کرتے کہ یہ بات کس سے منسوب ہے۔

ڈاکٹر صاحب اسلاف کی بہت تعظیم کرتے تھے لیکن آپ فرمایا کرتے غیر مشروط وفاداری اور ہر طرح کی تنقید سے مبرا ہستی فقط محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، ہمارے اسلاف بذنیت نہ تھے فکری غلطی اور نیک نیتی پر مبنی موقف میں بہت فرق ہوتا ہے، اسلاف کے اخلاص پر شک نہیں کیا جا سکتا تاہم ذاتی اجتہاد میں بہر حال غلطی کا امکان رہتا ہے پیغمبران حق کے علاوہ امکان خطا سے مبرا نہ تو خود ڈاکٹر فاروقی ہیں اور نہ کوئی اور بزرگ۔ بد تعظیمی کے بجائے آپ نے اکثر اسلاف کی مجبوریوں کی نشاندھی فرمائی ہے شلاً استاد صاحب فرماتے ہیں انسانی شعور کے تین پہلو ہیں جذبہ، ارادہ اور ادراک، جس کے شعور پہ جذبہ غالب ہو گا وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ اس کے اور خدا کے مابین محبت کی نسبت پائی جاتی ہے اور محبت میں محب پر یہ آرزو غالب ہوتی ہے کہ وہ اور محبوب ایک ہو جائیں، وحدۃ الوجود کا موقف اسی آرزو کا نتیجہ ہے جس کا اظہار امیر خسروؒ کی غزل کے ان اشعار میں ہوتا ہے۔

ع من تو شدم تو من شدی ۔۔۔ من تن شدم تو جاں شدی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اسلاف کا جو احترام استاد صاحب کے ملحوظ خاطر تھا مجھ جیسے اسلاف کی تعظیم کی آڑ میں ذاتی مفاد کے طالب اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

تصوف کے حوالے سے استاد صاحب کی حتمی رائے یہ تھی کہ پیر کامل کی اہم ترین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے مرید کو بارگاہ رسالت تک پہنچا دے، جو پیر خود درمیان میں حجاب بن جائے وہ ہرگز ہرگز پیر کامل نہیں ہو سکتا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ڈاکٹر صاحب علامہ اقبالؒ کے مقام و مرتبے کا لحاظ نہیں کرتے اور ان پر تنقید کرتے ہیں۔ استاد صاحب فرماتے ہیں جس قدر اقبال کی تعظیم اسلامی حوالے سے مجھے ہے کسی اور کو نہیں، اقبال کو جج (TUDGE) کرنے کا معیار وہ ہے جو خود انہوں نے اپنے لیے متعین فرمایا ہے اور وہ یہ ہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر باو نرسیدی تمام بولہبیست

اب اقبال کی وہ بات جو اس معیار پر پوری نہیں اترتی وہ خود ان کی نظروں میں معتبر ہے نہ مجھے اس کا کچھ لحاظ۔

جمالیاتی پاکیزگی

ڈاکٹر صاحب کو شعر و شاعری سے بہت دلچسپی تھی فرمایا کرتے تھے یہ ذوق والدہ صاحبہ کی طرف سے منتقل ہوا ہے اور ایک واقعہ سے وضاحت فرمائی "تعلیمی مصروفیت کی وجہ سے کافی عرصہ والدہ صاحبہ کی زیارت کے لیے نہ جا سکا تو میرے ایک دوست حکیم ابوالنظر رضوی صاحب کو والدہ صاحبہ نے فرمایا حکیم صاحب! میرے بیٹے کو مجھ سے ملا دو والدہ صاحبہ نے ایک شعر پڑھا جس کا اثر یہ ہوا کہ حکیم صاحب گھر جانے کے بجائے سیدھے ریلوے اسٹیشن گئے اور علی گڑھ یونیورسٹی سے مجھے اپنے ساتھ گھر لے آئے وہ شعر یہ تھا۔

قاصد پیام شوق کو دینا بہت نہ طول
کہنا فقط یہ ان سے کہ آنکھیں ترس گئیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استاد صاحب فرماتے ہیں کہ "میں نے کبھی کوئی شعر یاد نہیں کیا اچھا شعر خود بخود یاد ہو جاتا ہے"

استاد صاحب عام ادیبوں کی طرح کسی سے مرعوب ہو کر کسی مرحلے پر بھی کسی طرح کی بے ادبی کا شکار نہ ہوئے، استاد صاحب کے نزدیک ادب کے ادب ہونے کا معیار یہ ہے کہ معنی و مفہوم میں ادب کسی طرح بھی برتر فضیلت سے متصادم نہ ہو۔

استاد محترم ادب کے نام پر کی جانے والی بے ادبیوں سے اکثر اپنے طلبا کو مطلع فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ فرمانے لگے لوگ عشق اور ہوس کے مابین امتیاز کو نہیں سمجھتے، اگر اس کا لحاظ نہ رکھا جائے تو کبھی اعلیٰ ادب تخلیق نہ ہو سکے گا۔ عشق اور ہوس میں پانچ مماثلتیں ہیں جن پر اکثر ادیبوں کی نظر رہتی ہے اور وہ ایک امتیاز کو ملحوظ نہیں رکھتے مماثلتیں یہ ہیں۔

I۔ ہوس جو sex کی خاطر پیدا ہوتی ہے اس میں بھی (محبوب کی طرف سے) اسی شدت کے جواب کی خواہش ہوتی ہے جیسا کہ عشق میں شدت جواب کی آرزو۔

II۔ دوسری مماثلت محبوب پر خالص قبضہ کی خواہش ہے۔

III۔ زیادہ سے زیادہ قربت کی خواہش بھی دونوں میں یکساں ہے۔

IV۔ دونوں میں زیادہ سے زیادہ نفسیاتی ہم آہنگی کی آرزو بھی ہوتی ہے۔

V۔ تحفے تحائف کے ذریعے دونوں میں محبوب کو خوش کرنے کا جذبہ یکساں کار فرما ہوتا ہے۔

لیکن وہ امتیاز جس سے صرف نظر ہو گیا ہے یہ ہے کہ "عشق میں محبوب کا احترام فرض ہے" اور ہوس میں حرام۔

آپ نے ہر اس شعر پر تنقید کی جس میں کسی طرح سے بھی کسی اسلامی قدر کی کسی حوالے سے تنقیص ہوتی ہو، ایک دفعہ ایک صوفی صاحب کو میں استاد صاحب کے پاس لے کر گیا تو استاد صاحب نے اپنی مایۂ ناز تصنیف "منہاج القرآن" کی بابت ان صوفی صاحب سے تبصرے کے لیے کہا، صوفی صاحب نے جواباً یہ شعر عرض کیا۔

من ز قرآن مغز را برداشتم
استخواں را پیش سگاں انداختم

تو استاد صاحب جوش میں آ کر فرمانے لگے "تو گویا قرآن میں استخواں بھی ہیں"!

ایک دفعہ میں نے استاد صاحب کے سامنے یہ شعر پڑھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میرے گناہ اور میرے رب کا یہ کرم
نہ کچھ اس کی انتہا ہے نہ کچھ اس کی انتہا

تو ناراض ہو کر فرمانے لگے فضل خدا کو گناہ سے مشروط کرنا کوئی اچھا طرزِ عمل نہیں اور پھر شیخ سعدیؒ کا یہ شعر ارشاد فرمایا :

نگہ دار ما را ز راہ خطا   خطا در گذار و صوابم نما

غرضیکہ آپ کو حضور علیہ السلام کی ذاتِ گرامی سے ایسا تعلق خاطر تھا کہ ہر وہ بات جو آپؐ کی ذات یا آپؐ کے لائے ہوئے نظامِ حیات کے حوالے سے کسی طرح بھی آپ کو متصادم نظر آتی ڈاکٹر فاروقی اس پر تنقید کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ یہ بانکپن ایمانی بصیرت کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔

ایک دفعہ بڑے جوش میں فرمانے لگے اسلام سے بغاوت کے تصورات مجوسیوں نے شعر کی شکل میں ہمیں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے، ہمیں اس سازش سے باخبر رہنا چاہیے، کچھ دیر کے بعد اپنے مخصوص انداز میں یہ اشعار ارشاد فرمائے :

کعبہ بن گاہ خلیلِ آذر است
دل گذرگاہِ جلیلِ اکبر است
دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

پھر فرمانے لگے "مقامِ خلیل کو گھٹانے کی ترکیب ہے، خلیل کو تو آذر سے وابستہ کر دیا اور اپنا دین الگ گھڑ کے الفاظوں کے زور پہ کافرانہ تلقین ہو رہی ہے۔"

میں سمجھتا ہوں ڈاکٹر فاروقی کے قائم کردہ ادبی معیار کا لحاظ رکھ کے تمام ادب کے اساتذہ ادبی انقلاب کا سامان ہم پہنچا سکتے ہیں ڈاکٹر فاروقی کی یہ ادبی طہارت آپ کے استادِ محترم ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب کی خصوصی تربیت کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے، ڈاکٹر فاروقی فرماتے ہیں، "ایک دفعہ استاد صاحب کی خدمت میں بیٹھا تھا فرمایا کوئی شعر سناؤ میں نے یہ شعر پڑھا :

اس سی تقریب اس گلی میں رہے   منتیں ہیں شکستہ پائی کی

اس پر سید صاحب نے فرمایا گلی کی وجہ سے شعر ~~سوقیانہ~~ (بازاری) ہو گیا ہے ڈاکٹر فاروقی کہتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"پھر میں نے یہ شعر پڑھا جس سے میری غلطی کا مداوا ہو گیا۔"

بدرت رفتہ سجدہا کردم
منت پائے ماست بر سر ماست

انفاق و ایثار

قرآن حکیم کی رو سے تزکیہ و تصفیہ کی شرط انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی پاکیزگی فکر کا راز ان کے انفاق و ایثار میں مضمر معلوم ہوتا ہے، ڈاکٹر فاروقی کے نزدیک انفاق فی سبیل اللہ ہی اصل نیکی ہے انفاق و ایثار کی جو شان آپ کی ذات گرامی میں نظر آئی کم از کم میں اس کی مثال نہیں پیش کر سکتا۔

استاد صاحب فقر اختیاری کی شان کمال سے متصف تھے آپ اکثر فرمایا کرتے تھے "جب تکلیف ہی میں رہنا ہے تو اب میں رہوں یا کوئی اور رہے، اگر میں تکلیف میں رہ کر کسی کی آسودگی کا باعث بن سکوں تو اس میں حرج ہی کیا ہے!"

تو بہ طوبیٰ با بقامت یار فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

خضر تسین گواہ ہے استاد صاحب کے پاس ایک کوڑی بھی نہیں تھی، ایک چیک آیا جب وہ کیش ہونے گیا تو ایک ملنے والے نے آکر کہا کہ وہ کئی ماہ سے بچے کی اسکول فیس ادا نہیں کر سکا اس وجہ سے شائد اس کا نام سکول سے خارج ہو جائے، جب وہ چیک کیش ہو کر آیا تو جوں کا توں پورا کیش اس شخص کے حوالے کر کے ایک زوردار قہقہہ لگایا گویا دنیا جہان کی خوشیاں آپ کو مل گئی ہوں۔

استاد صاحب اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے جو آپ کے فقر اختیاری کی بھرپور عکاسی بھی کرتا ہے۔

ستم است گر ہوست کشد بیر و سرو سمند را
تو زغنچہ کم ندمیدۂ در دل کشا بچمین درا

آپ کا فرمان ہے دولت بچا کر رکھنا تو خدا سے بدگمانی کی بات ہے۔

استاد صاحب خود صاحب ارشاد تھے روحانی ترقی کے حوالے سے آپ کی حتمی رائے یہ تھی کہ اسلام میں معیشت اور روحانیت باہم دگر مربوط اور ایک دوسرے سے اضافی مستقضافی اور وجوبی طور پر وابستہ ہیں آپ اکثر فرمایا کرتے خانقاہوں کے لنگر خانے ذکر و فکر کی محفلوں سے کچھ کم اہمیت نہیں رکھتے، جب تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خانقاہی نظام میں یہ سوچ برقرار رہی اس سے نتائج پیدا ہوتے رہے اور جب سے یہ خانقاہیں سجادہ نشینوں اور پیرزادوں کے ہاتھوں مریدین کے استحصال کا ذریعہ بنی ہیں یہ نظام گل سڑ گیا ہے اور صوفیاء کا سلسلہ بھی رک گیا ہے ۔

ذہین شاہ تاجی کراچی کے ایک معروف پیر تھے ڈاکٹر صاحب کے استاد بھائی ڈاکٹر محمود صاحب ان کے خلیفہ تھے اور انہیں کے پاس رہتے تھے، ڈاکٹر محمود کے انتقال کے بعد پیر صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو اپنے ہاں آجانے کی دعوت دی اس پر استاد صاحب نے فرمایا" میں آپ کے یہاں آتو جاتا لیکن ایک وجہ ہے جو رکاوٹ بنی ہوئی ہے اور اسے میں بیان نہیں کروں گا" شاہ صاحب کے اصرار پر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا "آپ کا وہ مرید جو چوبیس گھنٹوں میں اٹھارہ گھنٹے آپ کی خدمت میں رہتا ہے اس کے مکان کی چھت ٹپکتی ہے اور آپ عمدہ کوٹھی میں رہائش پذیر ہیں اور لمبی کار میں سفر کرتے ہیں اس تصوف کی مجھے سمجھ نہیں آئی" پیر صاحب نے باتوں باتوں میں کہہ دیا کہ امیری اور غریبی کا مسئلہ تکوینی امور سے متعلق ہے جس پر آپ نے فرمایا" اگر تکوینی امور حضور علیہ السّلام کی آرزو کے خلاف ہوں اور دل تکوینی امور پہ مطمئن ہو جائے تو یہ حالت کفر ہے، ایمان کی حالت نہیں، مزید فرمایا" اگر خدا سے محبت کا جذبہ تنگدست اور پریشان حال لوگوں کی بہی خواہی کی صورت اختیار نہ کرے تو خدا کی عبادت محض ایک خیالی بت کی پرستش کے سوا کچھ نہیں" استاد صاحب کے ایک دوست ڈاکٹر ابراہیم صاحب نے ڈاکٹر عشرت حسن صاحب کے حوالے سے مجھے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب کو جب تنخواہ کا چیک ملتا تھا تو گھر پہنچنے سے پہلے آدھی تنخواہ آپ بانٹ دیا کرتے تھے بعض مستحق طلباء اگر رقم لینے میں پس و پیش کرتے تو ڈاکٹر صاحب نوٹ ہاتھ میں لے کر فرماتے" لے رہے ہو یا میں پھاڑ دوں"

ڈاکٹر صاحب کو اپنی دولت فقر پہ ناز تھا، ایک دفعہ ایک محفل میں آپ کے ایک ملنے والے نے (جو کسی بہت بڑے ملکی منصب پر فائز تھے) آپ سے کہا" کیا بات ہے صحت بھی ویسی کی ویسی ہے اور طنطنہ بھی جوں کا توں ہے؟" ڈاکٹر صاحب نے جواباً فرمایا" جہاں تک صحت کا تعلق ہے تو وہ تو کوئی ایسی چیز نہیں کہ کسی سے اُدھار مل جائے، رہا طنطنہ تو اس کا سیکرٹ بینک بیلنس (BANK BALANCE) نہیں مورل بیلنس (MORAL BALANCE) ہے"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرد درویش کا سرمایہ ہے آزادی و مرگ
ہے کسی اور کی خاطر یہ نصاب زروسیم

دینی غیرت وحمیّت

دینی غیرت وحمیّت آپ کو ورثے میں ملی آپ کی ذات غیرت فاروقی کی بہترین ترجمان تھی، آپ کے فکر کی اٹھان اور نظریۂ انقلاب کی اساس ہی اس پر ہے کہ ہمارا ارتقا اپنے نظام فکر وعمل کو ملحوظ خاطر رکھنے میں ہے، ہمارا زوال قرآن وسنت سے میسر آنے والی ہدایت سے صرف نظر کا نتیجہ ہے، آپ جھوم جھوم کر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

میسحا رشک می دارد بدرمان کہ من دارم
فلاطوں طفلکے باشد بیونان کہ من دارم

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں "میٹرک کے بعد مجھے ایک دیو سماج کالج میں داخلہ ملا جس میں داخلے کی شرط یہ تھی کہ ہر روز اسمبلی میں ایک گھنٹہ تک انکار خدا کے موضوع پر پرنسپل کا لیکچر سننا پڑتا، لیکن بفضلہ تعالےٰ مجھ پر اس کا کوئی منفی اثر نہ ہوا اور جس چیز نے بچایا وہ یہ تھی کہ اگر طب میں طبیب کی بات انجینئرنگ میں انجینئر کی بات، فلسفہ میں ارسطو کی بات سند ہو تو مذہب میں صاحب مذہب (محمد رسول اللہؐ) کے علاوہ کسی کی بات لائق التفات نہیں"۔

ایک دفعہ ایک معروف فلسفی نے "فلسفۂ توحید" کے عنوان سے لیکچر دیا، بعد میں ڈاکٹر صاحب کو ان کے خطاب پر تبصرہ کے لیے کہا گیا تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا" سامعین میں آپ اور فاضل مقرر کے درمیان حائل ریشم و دیباج کے پردے میں پیوند کاری نہیں کرنا چاہتا تاہم فلسفہ فلسفہ ہی ہے توحید کا ہو یا شرک کا، ہمارے لیے تو قابل التفات خدا تعالیٰ کا یہ فرمان ہے" قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون"۔

ڈاکٹر صاحب اکثر یہ شعر پڑھا کرتے جو ان کی غیرت ایمانی کی خوب ترجمانی کرتا ہے۔

منم آنکہ جد گرانیم برہنہ سرکشش بنثار زد
نہ من آں کہ بررہِ دیگراں امم تواں لغبار زد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ تھے وہ مومنانہ صفات جو نظریۂ انقلاب کی تشکیل و ترتیب میں اساسی محرکات کی حیثیت رکھتے ہیں اور جن کا لحاظ ازبس ضروری ہے۔

نظریۂ انقلاب

ڈاکٹر فاروقی کے نزدیک انقلاب ایسی ہدایت سے مشروط ہے جس کی پیروی زندگی کی ضمانت فراہم کرتی ہے اور جس کی خلاف ورزی تباہی کا موجب ہو۔ یہ ہدایت انقلابی جدوجہد کرنے والوں کو:

ا :۔ حیات بخشی کا ضامن نصب العین فراہم کر سکے۔

ب :۔ اس نصب العین کے حاصل ہو کے رہنے کے یقین کی اساس عطا کرے۔

ت :۔ وہ زاویۂ نگاہ فراہم کرے جو نصب العین کے لیے جدوجہد کرنے والوں کو متحد کر دے۔

ث :۔ وہ ایسا لائحہ عمل فراہم کر سکے جس میں حصول نصب العین کی ضمانت ہو، جو کلی (عالمگیر) ہو تاکہ محدود وفاداریوں پر منظم ہونے والے گروہوں کے عناد سے محفوظ رکھے، مثبت ہو تاکہ منفی تصور سے پیدا ہونے والی یاس و ناامیدی کا شکار نہ ہو، اور زندگی کو سہارا دے سکے۔

د :۔ وہ ہدایت ایسا معیار بھی فراہم کرے جس سے حصولِ نصب العین کی جدوجہد کو پرکھا جا سکے۔

ذ :۔ کامیابی کا نمونۂ کمال مہیا کر سکے۔

س :۔ وہ ایسا محرک عطا کر سکے جو حصول نصب العین کی انقلابی جدوجہد میں تمام منفی رجحانات کا قلع قمع کر کے افراد کو استقامت عطا کرتا رہے۔

ان تمام مطالبات انقلاب کا حتمی قطعی جواب قرآن حکیم سے میسر آنے والی ہدایت میں موجود ہے، لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ اس صحیفۂ انقلاب سے اپنی کامیابی کے لیے انقلابی ہدایت طلب کرنے سے قاصر رہے۔

ہم اس انقلابی منہاج کو ملحوظ کیوں نہ رکھ سکے!

ڈاکٹر فاروقی کے نزدیک ہم ذہنی التباسات اور فکری اختلالات کی وجہ سے قرآن حکیم کے عطا کردہ انقلابی منہاج کو ملحوظ نہ رکھ سکنے کی وجہ سے اپنے زوال کا مداوا نہ کر سکے، یہ اشکالات ہمارے (اسلام کے) دشمنوں نے ہمیں ذہنی غلامی میں مبتلا رکھنے کی خاطر اور اپنا دست نگر بنائے رکھنے کے نصب العین کو حاصل کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے وضع کیے ہیں ہمارا دشمن خوب جانتا ہے کہ ہر زوال کو عروج میں تبدیل کیا جا سکتا ہے لیکن ذہنی اعتبار سے مرعوبیت ہر طرح کی جوابی کاروائی کے راستے مسدود کر دیتی ہے، ناکامی کے تجربات سے گذر کر ذہنی پسپائی سے یہ ذہنیت بنی کہ جب ہمارے کیے سے کچھ ہو ہی نہیں سکتا تو سوچنے کا کیا حاصل؟ اس طرز فکر نے ہمیں جانوروں سے بھی گرا دیا ہے کیونکہ انسان اور حیوان میں بنیادی فرق فرض کے احساس اور شعور کا ہے۔

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی مطالعہ قرآن کا وہ منہاج جس سے ہمارے ہر زوال کا مداوا وابستہ ہے پیش کرنے سے پہلے ان اشکالات کی نشاندہی کرتے ہیں جو اس انقلابی منہاج سے صرف نظر کا باعث بنے۔

جدید ذہن اور اس کے اشکالات

ڈاکٹر فاروقی ان مناہج فکر کی خامیوں کو بیان کرتے ہیں جن کی اندھی تقلید نے جدید ذہن کو قرآن حکیم سے میسّر آنے والے اس انقلابی منہاج سے بیگانہ کر دیا جس میں نہ صرف ملت بیضا کے زوال کا مداوا تھا بلکہ فکری امامت کی ضمانت بھی موجود ہے۔

عقلی منہاج

اس منہاج کی رو سے مسائل و اشیاء کے فہم اور ان کا حل عقل کے ساتھ وابستہ ہے فکر یا عقل نظری (THEORITICAL REASON) فہم و حل مسائل میں استعداد تامہ کی حامل ہے، حواس کے ذریعے جو علم حاصل ہوتا ہے اس کی حیثیت فکر ژولیدہ (CONFUSED THOUGHT) کی ہے ۳۱ عقلی منہاج حل مسائل میں عقل کی نسبت لامحدود یقین کا مؤقف ہے، اگر بدقت نظر اس منہاج کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ عقل صرف معقولات کا ادراک کر سکتی ہے اور معقول (RATIONAL) کے خصائص یہ ہیں کہ وہ کلی (UNIVERSAL) ہے لہٰذا کلی حقیقت ہے جزئی (PARTICULER) حقیقت نہیں، کلی ذہنی (CONCERTUAL) ہے لہٰذا ذہنی حقیقت ہے موجود فی الخارج (EXITENTIAL) حقیقت نہیں، ذہنی زمان و مکاں سے ماورا یعنی قدیم ہے لہٰذا قدیم (ETERNAL) حقیقت ہے حادث (زمانی و مکانی) حقیقت نہیں، ذہنی بسیط (ABSTRACT) ہے لہٰذا بسیط حقیقت ہے مرکب (CONCRETE) حقیقت نہیں، بسیط مطلق (ABSOLUT)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اس لیے مطلق حقیقت ہے اضافی نہیں مطلق واجب ہے لہٰذا واجب (NECESSARY) حقیقت ہے ممکن حقیقت نہیں ۔

عقلی بنیادوں پر مرتب ہونے والے قضیئے کی خامی یہ ہے کہ اس سے موجود فی الخارج حقیقت کا انکار لازم آتا ہے، اگر عالم خارجی کا انکار کر دیا جائے تو نہ علم ممکن ہے، نہ مذہب کی احتیاج باقی رہتی ہے نہ اخلاق کی بس اس منہاج فکر کو اپنا کر خود اس کے ماننے والے فکری التباس کا شکار ہو گئے فلسفہ و فکر کا مطالعہ کرنے والے احباب بخوبی جانتے ہیں کہ ڈیکارٹ سپنوزا اور لائبنیز کا مختلف نتائج تک پہنچنا اس منہاج کی ناکامی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ پھر ایسا منہاج فکر جس کی رو سے عالم خارجی کا انکار ہو جائے کسی لادینی خبطی اور ذہنی عیاشی کے مسائل کا حل تو فراہم کر سکتا ہے لیکن ربنا ما خلقت ھذا باطلا (اے ہمارے ربّ تو نے یہ عالم باطل پیدا نہیں کیا) کا ایمانی مؤقف رکھنے والے مسلمان کے مسائل کا حل اس منہاج فکر کو اپنا کر مہیا کرنے کی کوشش کسی طرح بھی امر مستحسن نہیں گردانی جا سکتی ۔

حسی منہاج (EMPRICISM)

حسی منہاج کی رو سے مسائل کا حل اور حصولِ علم وقوف بالحواس تک محدود ہے لیکن محض حواس کے ذریعے حاصل ہونے والا علم اور حل مسائل حتمیت و یقین سے عاری ہوتا ہے ۔ جب اس منہاج کی رو سے لاک (LOCK) نے مادیت تک پہنچایا برکلے نے مادہ کی نفی کر کے اس کو ذہن انسانی کی اولین اور ثانوی کیفیات سے تعبیر کیا اور ہیوم (HUME) نے ذہن کے جوہر ہونے کا انکار کر کے اسے کیفیات نفسی سے تعبیر کیا تو انسانی فکر تشکیک میں مبتلا ہو گئی اور مسائل سے حتمی قطعی حل کی راہ مسدود ہو کے رہ گئی ۔

تنقید (ERA OF CRITICISM)

جرمن مفکر کانٹ کی بدولت فکر و فلسفہ کی دنیا میں ایک انقلاب برپا ہو گیا، کانٹ اپنی انکوائری کا آغاز اپنی استعدادات کی تحلیل سے کرتا ہے، کانٹ کے دور میں سوال اس طرح اٹھایا گیا میں کیا ہوں؟ انسانی انا ایک بامقصد عملیت ہے اس کو ان غایات کے حوالے سے سمجھا جا سکتا ہے جن کی وہ طلب گار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے ان ہی غایات کو کانٹ صورِ شعور سے تعبیر کرتا ہے۔[۱۳] انسانی صورِ شعور کی بنیادی طور پر چار حالتیں ہیں یا چار پہلو ہیں علمی، اخلاقی، مذہبی اور جمالیاتی۔ کانٹ شعور کی ہر صورت (پہلو) میں مضمر نصب العین کا تعین کرتا ہے اور پھر ان استعدادات کی تحلیل کرتا ہے جو ان کے حصول میں ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔

وہ سوال اٹھاتا ہے شعور علمی میں مضمر نصب العین علم کیا ہے؟[۱۴] اور علم کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔

تو جواب بایں طور دیا گیا کہ ہمارے پاس علم حاصل کرنے کی دو استعدادیں ہیں ۱۔ حواس ۲۔ عقل، حواس علم کا خام مواد مہیا کرتے ہیں اور عقل قضیۂ علمیہ میں وجوب اور کلیت پیدا کرتا ہے، نہ فقط حواس مسائل کو حل کرنے کی استعداد رکھتے ہیں اور نہ عقلِ محض۔

اس منہاجِ فکر کی رو سے مابعد الطبعیات کے بطور علم مدلل حاصل ہونے کو محال گردانا جاتا ہے یعنی حقیقت من حیث الکل (کائنات، باعتبار طول، عرض، عمق ابتداء، انتہاء اور بطور مظہر غائت) کا علم یقینی اس لیے محال ہے کہ یہ ہمارے حواس کا ناقابل انکار منظور نہیں بن سکتی۔

تاریخ فکر انسانی کا مطالعہ کرنے والے احباب جانتے ہیں کہ کانٹ کے بعد جدید فکر کے سفر کو ارتقاء کا سفر نہیں کہا جا سکتا۔ اگر کسی طرح کی ترقی کہا جا سکتا ہے تو وہ ترقیٔ معکوس ہے مثبت ترقی ہرگز ہرگز نہیں۔

لیکن کانٹ جب انسان کے عملی نصب العین (حصول کمال) کی بابت سوال اٹھاتا ہے کہ وہ کیا ہے؟ اور کیونکر ممکن ہے؟ تو اس کا امکان ثابت کرتا ہے جبکہ انسان کو امکان نہیں بلکہ حصول کمال کی حتمی قطعی ضمانت درکار ہے۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی تاریخ فکر انسانی میں اپنے انقلابی منہاج کی بنیاد پر ایک نئے باب کا اضافہ کرتے ہیں اور بات امکان کے بجائے حصول کمال کی حتمی قطعی ٹیکنیک پر منتج ہوتی ہے۔

منہاج القرآن

ڈاکٹر برہان احمد فاروقیؒ مطالعۂ قرآن کا ایک ایسا انقلابی منہاج دریافت فرماتے ہیں جس کا لحاظ رکھنے سے نہ صرف زوال ملت کا مداوا ہو جاتا ہے بلکہ تاریخ فکر انسانی کا مطالعہ کرنے سے واضح ہو گا کہ ڈاکٹر فاروقی کے انقلابی منہاج سے علمیات (EPISTIMALOGY) کے موضوع کی تکمیل ہو جاتی ہے اور ہم یہ دعویٰ کر سکنے کی پوزیشن حاصل کر لیتے ہیں کہ "فکری قیادت کی اہل فقط امتِ وسطیٰ ہے جو حامل قرآن ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر فاروقی اپنی انکوائری کا آغاز " المسئلۃ مفتاح العلم"[۵۹] (سوال کلید علم ہے) سے فرماتے ہیں، اور آپ کا مؤقف یہ ہے کہ ہر انسان کی تین آرزوئیں ہیں جن کی تکمیل پر انسانی کامیابی کا دارومدار ہے، اگر ان آرزوؤں کو بطور سوال تشکیل دیا جائے تو مسائل کی صورت گری یاں طور ہوگی، کیا ہے؟ کیا ہونا چاہیے اور جو کچھ ہونا چاہیے وہ کیسے ہو کر رہے؟ یہ سوال ہر انسان کے شعور میں ودیعت کر دیے گئے ہیں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں پہلے دو سوالات کا حل انسان کو اپنی استعدادات سے میسر آسکتا ہے، یعنی اس کو کیا ہے؟ اور کیا ہونا چاہیے؟ کا جواب دینے کی صلاحیت عطا کر دی گئی ہے، لیکن تیسرا سوال (جو کچھ ہونا چاہیے وہ کیسے ہو کر رہے؟) ہدایت کا متقاضی ہے ہدایت کہتے ہیں ایصال الی المطلوب کو۔ قرآن حکیم ہدایت ہے، اور انسان کو اس کے اس سوال کا جواب (کہ جو کچھ ہونا چاہیے وہ کیسے ہو کر رہے؟) حتمی قطعی لائحۂ عمل کے طور پر فراہم کرتا ہے۔

انسان کی انفرادی زندگی کے اچھے اور برے پہلوؤں سے انسان آگاہ ہے (بل الانسان علی نفسه بصیرة) لیکن برے پہلو اچھے نمونے کے مطابق کیونکر ڈھل کے رہیں اس کے لیے نسل انسانی کو قرآن حکیم کی طرف رجوع کرنا پڑے گا، زندگی کے اجتماعی اور بین الاقوامی پہلوؤں کی اصلاح پذیری بھی تتبیع بالقرآن ہی کی بدولت میسر آئے گی۔

منہاج القرآن کا بنیادی اصول

منہاج القرآن (قرآنی طریق انقلاب) کا بنیادی اصول یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاح انسانیت کی آرزو مقدم ہے اور نزول قرآن مؤخر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انقلابی اصلاحی مسائل کے جوابات کی حیثیت سے صحیفۂ انقلاب کے طور پر نازل ہوا، لہذا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی قرآن ہی حرف آخر ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ قرآن حکیم کی پیروی سے حیات انسانی کے جملہ مسائل حل ہو کے رہے یعنی انفرادی زندگی کو جس نمونے پر ڈھلنا چاہیے تھا وہ ڈھل کے رہی۔ اجتماعی زندگی کو جو کچھ ہونا چاہیے تھا اس کی بھی اصلاح اسی صحیفۂ انقلاب کے ذریعے ہو کر رہی۔ بین اقوامی زندگی کی اصلاح بھی نصب العین کے مطابق ڈھل کے ہو گئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسانی زندگی کے فضائل کی حفاظت و نگہداری سے غفلت کا نتیجہ اس کا زوال پذیر ہو جانا ہے۔ انسانی فطرت کے دو پہلوؤں یعنی نفس اسفل و نفس اعلیٰ کی موجودگی میں اس بات کا قوی امکان ہے کہ حیات انسانی تنزل کا شکار ہو جائے۔ ڈاکٹر فاروقی فرماتے ہیں آج ہم اپنے زوال کی ایسی ہی تجربی توثیق سے گذر رہے ہیں جیسا کہ دور رسالت میں قرآن الہدیٰ کی اتباع کے نتیجے میں عروج کی تجربی توثیق سے گذرے تھے، آج اگر ہم دوبارہ عروج چاہیں تو ہمیں قرآن حکیم اور اس کے عین مطابق سنت کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

اگر جدید ذہن کا یہ خیال ہو کہ وہ فکر و فلسفہ کے کسی اور منہاج کی روشنی میں اپنے مسائل حیات کا حل ڈھونڈ سکے گا تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔

مذہبی ذہن کے اسباب اختلال

جدید فکر کا انتقادی جائزہ لینے کے بعد ڈاکٹر فاروقی مذہبی ذہن کے مختل ہو جانے کے سبب کو بیان فرماتے ہیں۔ ڈاکٹر فاروقی فرماتے ہیں کہ مذہبی ذہن اسلامی انقلاب کی قیادت سے اس لیے محرومی کا شکار ہوا کہ قرآن حکیم کی ایک امتیازی خصوصیت سے غافل ہو گیا ہے

قرآن حکیم کی وہ خصوصیت اس کا حجۃ "من بعد الرسل" ہونا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے "اے پیغمبر ہم نے آپ کی طرف وحی کی اسی طرح حضرت نوحؑ اور ان کے بعد انبیاء کی طرف وحی کی اور ہم نے ابراہیمؑ و اسماعیلؑ اسحٰق، یعقوب (علیہم السلام) اور ان کے بیٹوں کی طرف اور عیسیٰ و ایوب یونس و ہارون اور سلیمان (علیہم السلام) کی طرف بھی وحی کی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی اور ان رسولوں کو بھی جن کا ذکر ہم پہلے فرما چکے اور ان کو بھی جن کا تذکرہ ابھی نہیں ہوا، اور خدا نے موسیٰؑ سے کلام فرمایا ہے، یہ رسول خوش خبری اور ڈر سناتے، (اور آپ کی طرف وحی کی ہے) تاکہ لوگوں کو اللہ کے ہاں (قرآن کی موجودگی میں) رسولوں کے بعد کوئی حجت نہ رہے[۵۲]

قرآن حکیم نے واشکاف الفاظ میں فرمادیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باب نبوت بند ہو گیا ہے[۵۳]

اب قرآن رسولوں کے بعد زوال کو عروج میں تبدیل کرنے کی حتمی قطعی ٹیکنیک ہے اپنی اسی خصوصیت کی بنا پر قرآن حکیم وہ متمم ہدایت کتاب ہے جس کی بنیاد پر انسانیت نئی بعثت کی احتیاج سے مستغنی ہو گئی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاریخ مذاہب سامیہ (سماویہ) کا مطالعہ رکھنے والے احباب بخوبی جانتے ہیں کہ امم سابقہ جب زوال پذیر ہو جاتی تھیں تو ان کے زوال کا مداوا اللہ پاک نئی بعثت کے ذریعے فرماتا۔ انبیاء سابقین پر نازل ہونے والی کُتُب اور الکتب میں بنیادی فرق یہ ہے کہ پہلی اقوام کی تقدیر یہ نہ تھی کہ وہ اپنی کتاب کے حوالے سے انقلابی جد و جہد کر کے اپنے زوال کا مداوا کر سکیں، بلکہ غلبۂ حق کو متحقق کرنے والے انقلابی اصول نبی کی ذات گرامی کے ساتھ وابستہ ہوتے تھے، جب نئی بعثت کے ذریعے غلبۂ حق متحقق ہو جاتا اور زندگی انقلابی اصلاح کے ذریعے صراط مستقیم پر گامزن ہو جاتی تو اقدار حیات کی حفاظت منزل من اللہ کتاب میں بیان کردہ قوانین کے ذریعے ہوتی رہتی۔

اب قرآن حکیم میں بھی حفاظت تمدن اور اقدار حیات کی نگہداری کے اصول موجود ہیں ہمارے علماء کی نظر ان قوانین پر تو مرکوز رہی اور وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ قانون کا وظیفہ یہ ہے کہ اگر اقدار حیات موجود ہوں اور قانون کے پاس قوت نافذہ ہو تو وہ اقدار حیات کی حفاظت کرے گا لیکن اگر اپنی غفلت اور انحلال انگیز مؤثرات کے نتیجے میں زندگی لادینی میلانات کا مرقع بن گئی ہو تو قانون سازی سے کام نہیں چلتا بلکہ انقلاب کی ضرورت ہوتی ہے، زندگی کو لادینی ڈگر سے ہٹا کر پہلے صراط مستقیم پر گامزن کرنا ضروری ہوتا ہے قانون کا مرحلہ بعد کا ہے۔ اس طرح "الکتب" اور دیگر کتب سماویہ کی مابہ الامتیاز خصوصیت سے صرف نظر ہو گیا اور مذہبی ذہن اپنے طریق کار کی بے تاثیری کو دیکھ کر خود بھی اسلامی انقلاب کے برپا ہو کے رہنے کے یقین سے محروم ہو گیا اور نوجوانوں کے لیے بھی دینی اساس پر مسائل حیات نہ حل ہو سکنے کے یقین کی اساس فراہم کر گیا۔

قرآن حکیم منتہم ہدایت بایں طور ہے کہ اُس میں اُن انقلابی اصولوں کی وضاحت کر دی گئی ہے جن کے اپنانے سے ہر مسئلہ حیات حل ہو کے رہنے کی ضمانت مہیا ہو جاتی ہے۔

مذہبی ذہن دور رسالت میں برپا کیے جانے والے انقلاب کو قرآنی ہدایت کی اتباع کا نتیجہ سمجھنے کے بجائے پیغمبرانہ معجزہ کاری کے حوالے سے سمجھتا اور سمجھاتا رہا اور ختم نبوت کے بعد فکر (قرآن) اور قیادت میں خلا کو اپنی اپنی قیادتوں سے پر کرنے کی جد و جہد میں مصروف ہو کے اشتعالی سرگرمیوں کو انقلابی سرگرمیوں سے تعبیر کرتے ہوئے، انحلال انگیز مؤثرات کا جواب نہ دے سکا اور خود بھی بے یقینی کا شکار ہو گیا اور اپنے مسائل حیات کا دینی بنیادوں پہ کوئی حل میسر آ سکتا ہے، اس سلسلے میں افراد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملت سے اعتماد کو بھی متزلزل کر گیا ۔

اسلامی انقلاب ۔ اور اسکے مراحل

اسلامی انقلاب عبارت ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصود بعثت کو اپنی زندگی کا مشن بنانے سے ، کیونکہ جس وقت تک مقصود زلیست یہ نہ ہو بارگہ رسالت میں ایمان کو شرف قبولیت نصیب نہیں ہوتا ، ارشاد نبوی ہے ۔

لا یؤمن احدکم حتی تکون ھواہ تبعا لما جئت بہ (الحدیث)

یعنی تم میں سے اس وقت تک کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش میرے لائے ہوئے (پیغام) کے تابع نہیں ہو جاتی ۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصود غلبۂ دین حق ہے ارشاد باری ہے :

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہٖ

قرآن حکیم اس انقلابی جدوجہد میں کامیابی کے ضامن لائحہ عمل کی ہدایت کاملہ پر مشتمل ہے جس کی پیروی سے ہر کامیابی وابستہ ہے ۔

انقلاب کوئی باہر پڑی ہوئی چیز نہیں ہے جس کا داعیان انقلاب کی ذاتی زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو اور نہ ہی یہ کسی ایک شعبۂ حیات کی اصلاح پر منحصر ہے ۔

اسلام زندگی کو ایک کل متصور کرتا ہے اور زندگی کی ہر سطح کے لیے انقلابی اصلاح کا اہتمام کرتا ہے ۔

ہمیں سمجھنا چاہیے کہ زندگی کے کتنے پہلو ہیں ؟ ان میں زوال کب آتا ہے ؟ اور اس زوال کا مداوا کیونکر ہو سکے ہو سکتا ہے ۔

حیات انسانی کی تین سطحیں ہیں : انفرادی ، اجتماعی اور بین الاقوامی ۔

قرآن حکیم کا دعویٰ ہے کہ وہ ہر سطح حیات کے لیے انقلابی راہنمائی فراہم کرتا ہے ۔

انفرادی انقلاب کے حوالے سے ارشاد باری ہے :

ان ھذہ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا ۔ (۱)

یعنی یہ تذکرہ ہے تو جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ لے ۔

اجتماعی اصلاح کے حوالے سے ارشاد ہوتا ہے : وانہ لذکر لک ولقومک ۔ بیشک وہ نصیحت ہے آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جبلہ بین الاقوامی انقلاب کا چیلنج بایں الفاظ کہا جاتا ہے : ان ھو الّا ذکرٌ للعالمین الآیہ

یہ (قرآن) تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔

مندرجہ بالا آیات قرآنیہ سے دو باتیں بہت واضح ہوتی ہیں اولاً یہ کہ قرآن حکیم زندگی کے تمام مراحل کے لیے اپنی بابت انقلابی اصلاح کے حوالے سے محض بیانیہ انداز نہیں اختیار کرتا بلکہ دعویٰ کرتا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ انقلابی جدوجہد میں حتمی قطعی کامیابی فقط قرآن حکیم کی پیروی سے مشروط ہے ثانیاً یہ کہ یہ انقلاب اسوقت تک متحقق نہ ہوگا جب تک افراد میں اس کی آرزو نہ ہو۔

جیسا کہ مذکور ہوا کہ انقلاب ایک بامقصد ارادی جدوجہد کا نام ہے قرآن حکیم ہر سطح حیات کے لیے نہ صرف یہ کہ نصب العین متعین کرتا ہے بلکہ اصلاح طلب خصوصیت اور اصلاح پذیری کے تصور کی وضاحت بھی کرتا ہے اور پھر انقلابی اصلاح کے ذریعے فرد کی ذات اور خارجی ماحول میں غلبۂ دینِ حق کو یقینی بنانے کے حتمی قطعی اصولوں کی نشاندہی کرتا ہے۔

یہ بات طے ہے کہ ہر اچھی تبدیلی کسی نصب العین کو متعین کر کے اس کے حصول کی شعوری جدوجہد سے عبارت ہے، فرد کے سامنے حیات بخش مقصود نہ رہے تو پہلے وہ نشاط کاری، پھر لذت اندوزی، پھر ہوس انگیزی اور بالآخر معصیت کوشی کی طرف مائل ہوتا ہے تمام جرائم اسی سے پیدا ہوتے ہیں، جب قوم کے سامنے اعلیٰ مقصد نہ رہے تو موت وارد ہو جاتی ہے جو قوم کے عدم اور موجود کو برابر کر دیتی ہے۔

انقلابی جدوجہد کا پہلا مرحلہ

ملت اسلامیہ امت مرکزیہ (وسطیٰ) ہے اور شہداء علی الناس ہونے کے ناطے بعثت نبوی کے مشن کی پاسدار بھی ہے، لیکن کائنات عالم میں حق کا بول بالا کرنے کے لیے پہلے خود ہر فرد ملت کو اپنے اوپر حق کو غالب کرنا ضروری ہے۔ حضور علیہ السلام کا مشہور قول اس کا ترجمان ہے فرمایا ابدأ بنفسك یعنی آغاز اپنی ذات سے کرو۔

لیکن اس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں کہ فرد کی تمام جدوجہد محض انفرادی اصلاح تک محدود ہو کے رہ جائے بلکہ انفرادی انقلاب تو بین الاقوامی انقلاب کے لیے تیاری کا مرحلہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انفرادی انقلاب کی شرط ۔ ثنویت فطرت کا لحاظ

قرآن حکیم کی رو سے انسانی فطرت دو پہلوؤں پر مشتمل ہے - بالقوہ فطرت اور بالفعل

ا ۔ بالقوہ پہلو کی نشاندہی ان آیات میں کی گئی ہے ۔

ا: لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم - یقیناً ہم نے انسان کو اچھی صورت پر بنایا

ب: بل الانسان علی نفسه بصیرة ولو القی معاذیره -

یعنی انسان اپنے حال پر پوری طرح آگاہ ہے، اگرچہ (بظاہر) بہانے بنا کر پیش کرے

ج: الست بربکم، قالوا بلی کیا میں تمہارا رب نہیں سب (انسانوں) نے

جواب دیا کیوں نہیں نیز ارشاد باری ہے :

د: انا عرضنا الامانة علی السموٰت والارض والجبال فابین

ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان -

یعنی انسان نے اس بار امانت (منصب خلافت) کی ذمہ داری قبول کی جس کی سکت زمین و آسمان اور پہاڑوں میں نہ تھی[15] جیسا کہ بیان مابعد سے واضح ہوگا انسان کے لاشعور میں جو ہے اور یہی بالقوہ فطرت ہے جس کے لحاظ سے انسان میں انسانیت آتی ہے ۔

لادین (جدید) نفسیات کی اندھی تقلید کی بدولت تمام انسانی آرزوؤں، شعور کے تمام پہلوؤں (جذبہ ارادہ و ادراک) اور تمام محرکات (MOTNES) کو بالفعل فطرت سے وابستہ کر کے سمجھنا ہماری انقلابی آرزو کے اضمحلال کا باعث ہوا، جس وقت تک بالفعل فطرت اور بالقوہ فطرت کی ثنویت کے حوالے سے مؤمنانہ بصیرت نہ پیدا ہو اور پھر یہ اعتماد نہ بحال ہو کے بالقوہ فطرت کو قرآنی ہدایت کی پیروی سے نشو و نما دیکر بالفعل فطرت کو اس کے تحت منضبط و منقاد بنایا جا سکتا ہے انقلابی جدوجہد کا پہلا قدم ہی نہیں اٹھ سکتا، ڈاکٹر فاروقی کے نظریۂ انقلاب میں بالقوہ فطرت اور بالفعل فطرت کی ثنویت کا لحاظ خشت اول کی حیثیت رکھتا ہے ۔

قرآن حکیم نے بالفعل فطرت کی نشاندہی نفس امارہ کی نفسی کیفیت کا شعور پیدا کر کے فرمائی ہے۔

فطرت انسانی کا یہ پہلو جبلی داعیات، طبعی خواہشات اور نفسانی تقاضوں کی بے قید تکمیل

۔ جس کی بنیاد پر سرکشی و طغیانی کی تحریک ہوتی ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اسرار پر مشتمل ہے، بالقوہ فطرت فجور و تقویٰ کے امتیاز فرد کے فعلی ارادے کے حسن و قبح کی بصیرت اقرار ربوبیت اور احساس ذمہ داری پر مشتمل ہے، انسانی کمال اور انقلاب کی اولین شرط بالقوہ فطرت کو نشوونما دیکر بالفعل فطرت کو اس کے تحت منضبط و منقاد بنانا ہے، بالقوہ فطرت کی نشوونما انسان کی ارادی جدوجہد پر منحصر ہے۔ اگر انسان اپنے اختیار سے بالقوہ فطرت کو نشوونما دینے کی ارادی جدوجہد نہ کرے تو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہو جاتا ہے۔ جب بالفعل فطرت بالقوہ فطرت کے تحت منضبط ہو جاتی ہے تو اس نفسی کیفیت کو قرآن حکیم نفس مطمئنہ سے موسوم کرتا ہے۔

قرآن حکیم کی رو سے نفس کی اس کیفیت کی جزا رضاء الہیہ کا حصول ہے[۱۶]

ڈاکٹر فاروقی کے نظریہ انقلاب کی رو سے بالفعل فطرت کا بالقوہ فطرت کے تحت انضباط و انقیاد رضاء الہیہ کے حصول کو انفرادی زندگی کا نصب العین بنانے سے متحقق ہو سکے گا۔ یعنی جب انفرادی زندگی کا مقصد "انسان مرتضیٰ" بننا ہو تو اس نصب العین کے حصول کی جدوجہد میں خواہشات کے بے لگام گھوڑے احکام الہیہ کی پابندی سے از خود قابو میں آجاتے ہیں۔ اس سلسلے میں قرآنی وحی ہماری راہنمائی کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار انسان کے لاشعور میں موجود ہے، شعوری سطح پر یہ اقرار دو حالتوں میں شدت اختیار کرتا ہے ایک اس وقت جب انسان کے دل میں ایسی آرزو پیدا ہو جس کو وہ خدا تعالیٰ کی مدد اور نصرت کے بغیر حاصل نہ کر سکتا ہو، دوسرے اس وقت جب انسان کسی ابتلا میں پڑے۔

ذیل کی آیۂ کریمہ میں اس حقیقت کو بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے۔

واذا مسکم الضر فی البحر ضل من تدعون الا ایاہ۔

یعنی جب تمہیں دریا میں مصیبت پہنچتی ہے تو خدا کے علاوہ ہر معاون بھول جاتا ہے۔[۱۷]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایمان بالآخرت

جو چیز اخلاقی کمال کو حاصل کرنے میں انسان کو جادۂ استقامت پر گامزن رکھتی ہے وہ ایمان بالآخرت ہے، اللہ تعالیٰ نے اخلاص باللہ کا انعام اور عناد باللہ کا انتقام آخرت پر ہی ملتوی فرمایا ہے اور حیاتِ ارضی میں یہ مہلت دی ہے کہ اگر انسان اصلاح پذیر ہو جائے تو اسے معاف کر دیا جائے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے بغیر اخلاقی جدوجہد میں جان دینے کا ولولہ نہیں پیدا ہوتا۔

پھر انقلابی جدوجہد کے حوالے سے غور کریں تو اخلاص باللہ اور عناد باللہ کے انفرادی اجتماعی اور بین الاقوامی سطح پر انعام اور سزا کے نتائج مظاہر اسی ارضی زندگی میں رونما ہوتے رہتے ہیں اور قرآن حکیم نے متعدد بار ان احوال کا حوالہ دے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں کو جدوجہد میں استغراق پیدا کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

اخلاص باللہ کے نتیجے میں انعام کو محض آخرت پر مؤخر کرنا یہودی فلسفہ ہے اور اسے مسلمانوں میں ایک سازش کے ساتھ جاری کیا گیا ہے اور احوال کی تبدیلی سے مشاہداتی رو کے نتیجے میں مسلمان فلاسفہ اس کے قائل ہو گئے ہیں اور مذہبی ذہن نے اس کی اشاعت اور ترویج میں جوش صرف کر کے عام مسلمان کو مذہب پر عمل پیرا ہونے کے ارضی نتائج یعنی غلبہ حق سے بے تعلق کر دیا ہے ۔ مطلب یہ کہ ایمان بالآخرت سے انقلابی جدوجہد میں ولولہ فراہم ہوتا ہے۔

بصیرت نفس

انسان اپنی اصلی فطرت کی بنا پر اس بات کی بصیرت رکھتا ہے کہ صدور فعل کے وقت اس کی نیت اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کی تھی یا اس کا فعل اخلاقی حکم کی خلاف ورزی میں صادر ہوا ہے، اسی حقیقت کی طرف قرآن حکیم میں بایں الفاظ اشارہ فرمایا گیا ہے!

بل الانسان علی نفسه بصيرة، ولو القى معاذيره (القیامه: ۱۴،۱۵)

بلکہ انسان آپ اپنا گواہ ہے اگرچہ عذر و معذرت کرتا رہے۔

فجور و تقویٰ کا امتیاز

انسان کی تخلیق بہترین ساخت پر ہوئی ہے ارشاد باری ہے: لقد خلقنا الانسان فی احسن تقويم (التین) خدا تعالیٰ نے بدی اور نیکی کا امتیاز نفس انسانی میں ودیعت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرما دیا ہے کما قال اللہ تعالیٰ : فالھمھا فجورھا وتقوٰھا (الشمس) آپ ایک راہزن ڈاکو اور زانی سے پوچھیں کہ ایمان سے بتا جو سرگرمیاں تو سر انجام دے رہا ہے وہ امور خیر ہیں ؟ تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ ہرگز نہیں ۔

جیسا کہ پہلے مذکور ہوا انسان کے لاشعور میں خیر ہے، وہ بالفعل فطرت کے غلبہ کی وجہ سے نفس امارہ کی پیروی کر کے شعوری سطح پر اپنی فطرت خیر سے انحراف کرتا ہے، اور قرآن کی انقلابی اصلاح کے ذریعے جب اس کی بالفعل فطرت بالقوہ فطرت (خیر کے پہلو) کے تحت منضبط ، منقاد ہو جاتی ہے تو انفرادی سطح پر انسان اس قابل ہو جاتا ہے کہ بین الاقوامی سطح پر غلبۂ دین حق کی جدوجہد میں عملاً شامل ہو سکے جس کی شہادت بایں طور فراہم ہوگی کہ :

۱۔ ایمان باللہ انسان کے جبلی داعیات پر غالب ہو جاتا ہے جس کی بنا پر وہ خواہش کے مقابلے میں جادۂ استقامت سے منحرف ہو سکنے کے میلان پر غالب آجاتا ہے ۔

۲۔ ایمانی نقطۂ نگاہ سے ذہنیت یہ بنتی ہے کہ ماضی میں کامیابی ضبط و انقیاد سے حاصل ہوئی تھی۔

۳۔ اخلاقی نقطۂ نگاہ سے نفسانی تقاضوں پر یہ شعوری تقاضہ غالب ہوتا ہے کہ کامیابی کی شرط اولین زندگی کا فضائل اخلاق سے متصف ہونا ہے۔

انفرادی سطح حیات پر انسان کے زوال پذیر ہونے کے تین انداز ہیں اولاً یہ کہ فرد کی زندگی حیات و کائنات کے حوالے سے کسی واضح مقصد کے شعور سے بے بہرہ ہو، یا پھر ایمان اس قدر مضمحل ہو گیا ہو کہ حصول مقصد میں فرد کا اعتماد زائل ہو جائے، زوال کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ فرد اخلاقی اعتبار سے پستی کا شکار ہو جائے اور محض اپنی خواہشات کی تکمیل مقصد زیست بنے اور تکمیل ہوس میں فرد کسی اعلیٰ تر فضیلت کا لحاظ رکھنا گوارا نہ کرے۔

انفرادی زندگی کے زوال پذیر ان تینوں پہلوؤں کی اصلاح انسان مرتضیٰ کے نصب العین کے حصول کی جدوجہد کے حوالے سے ہو کے رہے گی ڈاکٹر فاروقی کے نظریۂ انقلاب کی رو سے :

- اس نصب العین میں کامیابی کے یقین کی اساس انسان کی بالقوہ فطرت ہے، بالفعل فطرت کی طرف سے مزاحمت انسان کی کامیابی کی ناگزیر شرط ہے کہ بالفعل فطرت کی طرف سے جو مزاحمت ہوتی ہے رضاء الٰہیہ کو مقصد بنا کے جب انسان اس مزاحمت کی مزاحمت کرتا ہے تو انسان کا عزم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خوابیدہ بیدار ہوتا ہے اور بالفعل فطرت بفحوائے من جَدَّ وَجَدَ بالقوہ فطرت کے تحت منضبط ومنقاد ہو جاتی ہے۔

- انفرادی اصلاح کا لائحہ عمل حضور علیہ السلام کو سچا نبی مان کر تلاوت آیات قرآنیہ کی بنیاد پر تزکیہ وتصفیۂ ذات میں مضمر ہے۔
- یہ اصلاح خواہش کے بجائے منزل من اللہ حکم کو معیار بنانے سے متحقق ہو گی۔
- اس جدوجہد میں نمونۂ کمال حضور علیہ السلام کا اسوۂ مبارک ہے۔
- وہ نفسیاتی محرک جس سے جدوجہد میں ولولہ پیدا ہوگا اور جدوجہد میں استقامت ہوگی وہ حضور علیہ السلام کی تصدیق وتکذیب کا انضباط ہے، جو شخص حضور علیہ السلام کو سچا نبی مان کر ایمان لے آتا ہے، اور برنباء بصیرت ایمان "عقل قربان کن بہ پیش مصطفیٰ" کا نقطۂ نظر اپنائے بغیر کسی طرح متحقق نہ ہوتا ہو، تو نبی علیہ السلام کے فرمان پر اپنی خواہش کو قربان کرنا ایمان کا بنیادی تقاضہ بن جاتا ہے۔ جو مصدّق رسول (مؤمن) کے لیے مشکل نہیں رہتا۔ کیونکہ بفحوائے ارشاد باری جس وقت تک ہر معاملۂ حیات میں رسول خداؐ کے حکم پر خواہش نفس کو قربان کرنے کا داعیہ متحقق نہ ہو بارگہ ایزدی میں ایمان کو شرف قبولیت نصیب نہیں ہوتا۔
- ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت بھی انسان کی احتیاج ہیں، ایمان باللہ کے بغیر بظاہر مایوس کن صورت حال میں کامیابی کا یقین پیدا نہیں ہو سکتا اور ایمان بالآخرت کے بغیر نیکی کی راہ میں جان قربان کرنے کا ولولہ نہیں پیدا ہو سکتا۔

اجتماعی انقلاب

انسانی زندگی اس حد تک عمرانی الطبع ہے کہ بغیر معاشرے کے انسان وجود میں آسکتا ہے، نہ باقی رہ سکتا ہے اور نہ ہی ترقی کر سکتا ہے۔

اجتماعی انقلاب ایسی ہیئت اجتماعیہ کے وجود میں آنے سے عبارت ہے جو قرآنی راہنمائی کو قبول کر کے پیغمبرانہ مقاصد (غلبۂ دین حق) کے حصول کے لیے جدوجہد کر سکے۔

ارشادِ باری ہے: ہم نے تمہیں امت وسطیٰ (مرکزیہ) اس لیے بنایا ہے کہ تم لوگوں پر گواہ (نگہبان) ہو اور رسول خداؐ تم پر نگہبان و گواہ ہوں۔[۱۹]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی امت مسلمہ کا مشن وہی ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، مشن رسول کو مقصد زیست بنائے بغیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ کامل کو نمونۂ کمال نہیں بنایا جا سکتا۔

یہ انقلاب اس وقت تک ممکن نہیں جب تک حیاتِ اجتماعی کا ہر پہلو قرآن حکیم کی ہدایت کے مطابق اصلاح پذیر نہ ہو جائے۔

اجتماعی زندگی کے تین پہلو ہیں:

معاشرت، معیشت اور سیاست۔

معاشرتی پہلو کی اصلاح طلب خاصیت نسلی تفاخر اور خود پسندی کا پیدا ہونا ہے اور قرآن حکیم اس کی اصلاح جذبۂ اخوت پیدا کر کے فرماتا ہے۔

سیاسی پہلو کا لادینی نقطۂ نظر، حرص، لالچ اور بخل میں مبتلا ہوتا ہے اور قرآن حکیم اس کی اصلاح انفاق ایثار اور احسان کا تقاضہ غالب کر کے فرماتا ہے۔

سیاسی پہلو کی اصلاح طلب خاصیت "ہوسِ اقتدار" ہے جس کی بنا پر فلاحی ریاست کے قیام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ جب معاشرہ منظم ہوتا ہے تو دو طبقات وجود میں آتے ہیں مطاع (حکمران) اور مطیعون (عوام)، ان طبقات کا وجود میں آنا ہی معاشرے کو سیاسی حیثیت عطا کرتا ہے، جب معاشرہ سیاسی حیثیت اختیار کرتا ہے تو مطاع (حکمران) کو قانونی طور پر یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ مطیعون (عوام) سے جبراً بھی اطاعت طلب کر سکے اب اگر اطاعت طلب کرنے کا محرک ہوس اقتدار ہو تو سیاسی تناقض (POLITICAL ANTINOMY) پیدا ہو کے رہے گا یعنی عوامی و حکمرانی ہر ایک سطح پر محرک عمل مطالبۂ حقوق بن جاتا ہے۔ اب جب عوامی سطح سے حقوق طلب کئے جاتے ہیں تو وہ بے نظامی کے مرتکب ٹھہرتے ہیں اور حکمرانوں کے دل میں ان کے بارے میں نفرت پیدا ہوتی ہے، اور حقوق کے مطالبہ کے لیے کی جانے والی سرگرمیوں کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

رہے حکمران تو ان کی وقعت عوام کے دل میں ظالم و غاصب سے زیادہ کی متصور نہیں ہو سکتی، کیونکہ جب حقوق طلب کئے جاتے ہیں تو اس کی بنیاد ہی یہ ہے جس سے حقوق طلب کئے جا رہے ہوں اسکو ظالم و غاصب پہلے سمجھا جائے۔

قرآن حکیم اس کی اصلاح اس طرح فرماتا ہے کہ کلمۂ طیبہ کی بنیاد پر ایک معاہدہ عمرانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(SOCIAL CONTRACT) وجود میں لایا جائے جس کی رو سے دونوں طبقے (حکمران اور عوام) یکساں طور پر منزل من اللہ حکم کی تعمیل کرنے کے پابند ہوں اور احکام الٰہیہ دونوں میں سے ہر ایک کے لیے یکساں طور پر واجب التعمیل ہیں۔ اور پھر یہ کہ ہر طبقہ کا محرکِ عمل مطالبۂ حقوق کے بجائے فرائض کی انجام دہی یعنی ایثارِ حقوق ہے اگر محرکِ عمل ایثارِ حقوق کے مطالبہ کی نوبت ہی نہیں آتی اور حق طلب کرنے سے پہلے ہی ادا ہو چکا ہوتا ہے

یہ انقلاب کیونکر متحقق ہوگا؟

کسی اعلیٰ تر نصب العین کا لحاظ رکھے بغیر زندگی میں کسی طرح کی تبدیلی ممکن نہیں ہوتی، اجتماعی زندگی کے ان تینوں پہلوؤں کی اصلاح اجتماعی نصب العین کے حصول کی جدوجہد کے ضمن میں ہوگی۔

اجتماعی زندگی کا نصب العین ایسے مثالی معاشرے کا قیام ہے جو غلبۂ دینِ حق کے لیے جدوجہد کر سکے، مثالی معاشرے کے خصائص یہ ہیں کہ وہ:

۱۔ نوعِ انسانی کی وحدت کے تصور پر مبنی ہو۔

جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفسٍ واحدۃ۔

یعنی لوگو اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا۔[۲۰]

۲۔ اخلاقی جدوجہد کرنے والے اور روحانی الذہن افراد پر مشتمل ہو۔

قرآن حکیم میں اس خصوصیت کو یوں بیان کیا گیا ہے: "کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔"

یعنی تم بہترین امت ہو جس کو لوگوں میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کے لیے ظاہر کیا گیا ہے۔[۲۱]

۳۔ جن کی جدوجہد کا رخ یہ ہو کہ فرد اور معاشرہ ہر قسم کے خوف و غم سے محفوظ رہیں۔

کیونکہ احکاماتِ الٰہیہ کی پرخلوص پیروی اور اخلاقی جدوجہد امنِ عامہ پر منتج ہوگی:

کما قال اللہ تعالیٰ! فمن تبع ھدای فلا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون۔

یعنی جس نے بھی خدا کی ہدایت کی پیروی کی وہ ہر طرح کے خوف و غم سے محفوظ ہو جائے گا۔[۲۲]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ اس معاشرے کے استحکام کی اساس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مشروط اطاعت اور آپ سے غیر منقسم وفاداری ہو۔

جیساکہ فرمان الٰہی ہے: وَمَا كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم۔

یعنی خدا اور رسول کے حکم کے سامنے کسی مؤمن مرد یا عورت کو ذاتی (اپنی خواہش کے مطابق کچھ کرنے یا نہ کرنے کا) اختیار نہیں رہتا[23]

نوع انسانی کی وحدت کے تصور پر مبنی ہونا اس لیے ضروری ہے کہ پوری نسل انسانی کی بہبود کے لیے جدوجہد کی جاسکے اور یہ مثالی انقلابی معاشرہ اپنی نفسیات میں محدود وفاداریوں پر منظم ہونے والے گروہوں کی عصبیتوں سے مبرا ہو۔ نسل انسانی کو محدود وفاداریوں پر منظم ہونے والے گروہوں کی عصبیتوں سے نجات دلانے کے لیے اس امت وسطہ کو پیدا فرمایا ہے، جیساکہ اس آیہ کریمہ واضح ہے:

ان هذه امتكم امة واحدة وانا ربكم فاعبدون (الانبیاء: ۹۲)

اخلاقی جدوجہد کرنے والے اور روحانی الذہن افراد ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت سے وجود میں آتے ہیں، اس معاشرے کا اخلاقی جدوجہد کرنے والے روحانی الذہن افراد پر مشتمل ہونا اس لیے ضروری ہے کہ جب تک افراد ان خصوصیات کے حامل نہ ہوں وہ مثالی معاشرہ نہیں بنا سکتے، کیونکہ مثالی معاشرے کے قیام کی خاطر جان دینے کا جذبہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے بغیر پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔

اس معاشرے اور افراد کو ہر قسم کے خوف وغم سے محفوظ کرنے کے لیے کوشاں ہونا اس لیے ضروری ہے کہ محدود وفاداریوں پر منظم قوی تر گروہوں کی بالادستی کمزوروں کے لیے خوف وغم کا موجب ہوتی ہے اور محدود وفاداریوں پر منظم معاشروں میں خود ان کے اپنے افراد بھی کمزوروں کو ظلم وستم کا نشانہ بناتے ہیں اور جائز حقوق سے محروم کرتے ہیں، کیونکہ ہر عوامی مفادات تنگ سے تنگ تر دائروں میں محدود ہوتے چلے جاتے ہیں، اس سے نجات دلانا مقصود ہے۔

ایسے معاشرے کا عالمی (بین الاقوامی) سطح پر غلبہ اس لیے ضروری ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصود یہی ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خالص وفاداری پر منظم ہونا اس لیے ضروری ہے کہ صرف آپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی پوری نوع انسانی کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔

ارشاد حقانی ہے ، یاایھا النّاس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا (الآیۃ)

یعنی اے محبوبؐ! آپ فرمادیں کہ میں تمام نوع انسانی کے لیے رسول بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔[۲۴]

آپؐ سے خالص وفاداری اس لیے ضروری ہے کہ ایک تو کسی اعلیٰ ترین وفاداری کے بغیر زندگی ضبط والقیاد کی پابند نہیں بنائی جا سکتی دوسرے وفاداری منقسم ہو تو کسی دوسرے فرد کی ایسی وفاداری جو فرقہ پرستی میں مبتلا کرے امت کو فرقوں میں تقسیم کر دے گی اور اس طرح محدود وفاداریوں پر منظم ہونے کے سبب پوری نسل انسانی کی بہبود کا نصب العین حاصل نہ ہوسکے گا۔ اجتماعی زندگی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت باذن اللہ مطاع مطلق کی ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ ! من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ۔

یعنی خدا کی اطاعت فقط اس نے کی جس نے رسولؐ خدا کی اطاعت کی۔[۲۵]

انفرادی زندگی کے اصلاح پذیر ہو جانے کے بعد مثالی معاشرے کے قیام کو، اجتماعی زندگی کا نصب العین بنانے سے، حیات اجتماعی میں انقلاب آ کے رہے گا، یہ محض سخن نوازی نہیں بلکہ تاریخ گواہ ہے کہ قرآن حکیم کی انقلابی ہدایت کی اتباع سے ماضی میں مثالی معاشرے کا قیام حقیقت بن چکا ہے اور اب بھی اسی صحیفہ انقلاب کی روشنی میں زندگی کے تمام باطلانہ رجحانات اصلاح پذیر ہو کے رہیں گے، اس کی شرط یہ ہے کہ ہم اس بات کا ہر وقت لحاظ رکھیں کہ ہم کس (مثالی) معاشرے کے ارکان ہیں اور اس سلسلے میں ہماری ذمہ داریاں کیا ہونی چاہئیں؟

- تخلیق بالحق پر ایمان، یعنی باطل کی موجودگی حق کی کامیابی کی شرط ہے، اور خدا نے یہ کائنات غلبۂ حق کے لیے جدوجہد کرنے والوں کے لیے کامیابی کی شرط کے طور پر عدم محض سے تخلیق فرمائی ہے، اجتماعی نصب العین کے حصول میں کامیابی کے یقین کی اساس ہے۔
- اجتماعی سطح پر لائحہ عمل یہ ہے کہ معاشرے کی ادارتی تنظیم بایں طور ہو کہ زندگی کے تمام تقاضے ایمانی بنیادوں سے پورے ہوں۔
- اس سلسلے میں ہر سطح پر افراد معاشرہ کا زاویۂ نگاہ رحمۃ للعالمینی کا ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

- ۔ معیار خواہش نہیں منزل من اللہ حکم ہے ۔
- ۔ نمونۂ کمال کوئی باطل نظام نہ ہو بلکہ اسوۂ رسول بنے ۔
- ۔ نفسیاتی محرک جس سے جد وجہد میں استقامت نصیب ہوگی ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق وتکذیب ہے ۔ مصدق رسول اس عالمگیر معاشرے کا رکن ہے اور آپ کی تکذیب کرنے والا اس کا رکن نہیں اس معاشرے میں جغرافیہ اور نسل ولسان پہچان ارکان نہیں بلکہ مرتبت وعظمت اور شناخت کا حوالہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے ۔
- ۔ اس معاشرے میں چونکہ نفع بخشی ، فیض رسانی اور نشو ونما دینے کی مومنانہ شان پائی جاتی ہے اور یہ نوع انسانی کی وحدت کے تصور پر مبنی ہے لہٰذا نسل انسانی کی فلاح اسی میں ہے کہ یہی معاشرہ عالمی سطح پر غالب ہو تاکہ لادینی معاشروں کے غلبے سے انسانیت کا جو استحصال ہوتا ہے اس کا مداوا ہو سکے ۔

بین الاقوامی انقلاب اور اسکی شرائط

فطرت انسانی میں مثبت اور منفی میلانات کی بیک وقت موجودگی کی وجہ سے حیات انسانی میں عروج وزوال کا امکان رہتا ہے ، اگر مقاصد عالیہ سے ناگزیر وابستگی میں کمی آجانے کی وجہ سے نگہداری اور غیر جانبدارانہ جائزۂ اعمال سے غفلت برتی جائے تو زندگی زوال کا شکار ہوکے رہتی ہے ، اگر اختلال انگیز مؤثرات حیات کے جواب میں افراد اپنے قومی تشخص کا دفاع نہ کرسکیں تو معاشرتی زندگی زوال کا شکار ہو جاتی ہے ۔

بین الاقوامی انقلاب عبارت ہے حیات اجتماعی میں پیدا ہونے والے فضائل کو اندرونی وبیرونی ہر طرح کے خطرات سے محفوظ کرنے سے ، جس کی بنا پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے غیر مشروط اطاعت کی بنیاد پر قائم ہونے والی ہئیت اجتماعیہ ہر قسم کے اندرونی وبیرونی خطرات سے محفوظ ہو کر اپنی ذمہ داریوں کو ادا کر سکنے کی صلاحیت حاصل کر لیتی ہے ۔

غیر جانبداری سے جائزہ لیا جائے تو بین الاقوامی سطح پر زندگی عداوت وعناد اور اس کے جوابی عمل یعنی جنگ در جنگ کی منظر ہے ، اس جنگ در جنگ کے منظر ہونے کا سر چشمہ بین الاقوامی زندگی میں ریاست کا یہ تصور ہے کہ :

ریاست سیاسی طور پر منظم ایسے معاشرے کا نام ہے جسے اپنی بقا اور توسیع کے لیے دوسری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ریاستوں سے صلح اور جنگ کا اختیار حاصل ہو۔

اس صورت حال کا مداوا بین الاقوامی سطح پر دین حق کو غالب کرنے سے ہوگا، چونکہ حق نام ہی نفع بخشی فیض رسانی اور نشوونما دینے کا ہے۔ لہٰذا حق کے غالب ہونے کی وجہ سے کوئی گروہ، کوئی ریاست اپنی بقا اور توسیع کی خاطر کسی مظلوم پر ظلم نہ کر سکے گی، دنیا کے لیے رحمت کا پیغام بن کر مبعوث ہونے والے نبی آخر الزمان کی بعثت کا مقصود بھی یہی ہے، اور ختم نبوت کے بعد اب اس مشن کو اپنائے رکھنے کی ذمہ داری امت مسلمہ پر ہے۔

شرائط انقلاب

بین الاقوامی انقلاب کا ضامن لائحہ عمل مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پر مشتمل ہے:

۱۔ وہ کونسا تضاد ہے جس کے شدید تر کرنے سے وفاداری متعین ہوگی، اندرونی طور پر جماعت میں ضبط و انقیاد پیدا ہوگا اور خارجی اعتبار سے تصادم فیصلہ کن ہوگا؟

۲۔ اس کی کیا ضمانت ہوگی کہ انقلاب کی یہ جدوجہد تخریب محض میں ختم ہو کر نہ رہ جائے، بلکہ اس کے تعمیری نتائج پیدا ہو کر رہیں گے؟

۳۔ باطل کے ساتھ جب تصادم کی طاقت نہ ہو انقلابی جماعت کا پروگرام کیا ہو کہ ولولہ سرد نہ ہو، مقصد کے قریب تر ہوتے جائیں اور قبل از حصول وقت تصادم کو اس وقت تک التوا میں رکھ سکیں جب تک تصادم کی طاقت پیدا ہو سکے؟

۴۔ اس کی پیش بینی کی جائے کہ دعوت انقلاب کے کتنی اقسام کے ردعمل پیدا ہوں گے؟

۵۔ وہ محرک کیا ہوگا جو انقلابی جدوجہد میں استقامت دلا دے اور انحراف نہ کرنے دے۔

۶۔ ہر ردعمل کے جواب میں انقلابی قیادت کیا طرز عمل اختیار کرے کہ اسے صورت حال پر کامل تصرف حاصل ہو جائے؟

(۱)۔ وہ تضاد جس کے شدید تر کرنے سے اجتماعی نصب العین سے وفاداری متعین ہوگی اور اندرونی طور پر جماعت میں ضبط و انقیاد پیدا ہوگا اور خارجی طور پر تصادم فیصلہ کن ہوگا محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور تکذیب کا تضاد ہے، اس تضاد کی وجہ سے مومن، منافق اور کافر وجود میں آتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور کائناتی قانون نشوونما کے تحت دو جماعتیں وجود میں آتی ہیں حزب اللہ اور حزب الشیطان، حزب الشیطان پیغمبرانہ دعوت کی مزاحمت کرتا ہے اور مزاحمت سے نبوی پارٹی کا غلبہ ضرور ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْن۔

بے شک خدا کا گروہ ہی غالب ہے ۲۶

ب:۔ چونکہ از روئے قرآن نفع بخشی، فیض رسانی اور نشوونما دینا ہی حق ہے اور مزعومہ مفاد کی خاطر نفع بخشی فیض رسانی اور نشوونما کو روکنا ہی باطل ہے لہٰذا پیغمبرانہ انقلاب جو حق و باطل کے درمیان تصادم پہ مبنی ہے تخریب محض پر منتج نہیں ہوگا بلکہ اس سے تعمیری نتائج پیدا ہو کر رہیں گے۔

کما قال اللہ تعالیٰ: قل جاء الحق و زھق الباطل، ان الباطل کان زھوقًا۔ یعنی اے محبوب فرما دیجیے حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل کو تو مٹ کر ہی رہنا تھا۔

ج:۔ جب تک تصادم کی طاقت نہ ہو اس وقت تک انقلابی جماعت کا پروگرام یہ ہونا چاہیے کہ انقلابی جماعت کے ارکان کو معاشی اعتبار سے مستحکم کیا جائے تاکہ ان کی معاشی ضرورت میں سے معاشی تعطل ختم ہو جائے اور وہ تصادم کے لیے تیار ہو سکیں، اس سلسلے میں نمونۂ کمال وہ مؤاخات ہے جو حضور علیہ السلام نے مہاجرین اور انصار کے درمیان قائم فرمائی تھی۔

د:۔ دعوت انقلاب سے تین طرح کے ردّ عمل پیدا ہو کے رہتے ہیں۔ (۱) ایمان۔ (۲) منافقت۔ اور (۳) کفر اس سے تین گروہ وجود میں آتے ہیں مومن کافر اور منافق، ان میں سے ہر گروہ کی مخصوص نفسیات کو قرآن حکیم میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

ر:۔ اسلامی انقلاب کی دعوت کے جواب میں جو چیلنج انقلابی جماعت کے وجود کو نابود کرنے کے لیے پیدا ہوگا صرف ایسی اسلام دشمنی ہی استقامت کو برقرار رکھوا سکتی ہے اور مخلصین کو انحراف سے باز رکھ سکتی ہے۔

اللہ پاک کا ارشاد گرامی ہے: وکذٰلک جعلنا لکل نبی عدوًّا شیطین الانس والجن (انعام: ۱۱۲)

یعنی اسی طرح ہم نے جنوں اور انسانوں میں سے ہر نبی کا دشمن بنایا، اللہ نے نبی کا دشمن (حاکم بدہن)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ٹٹولنے کے لیے نہیں بلکہ جیسا کہ مطالعہ قرآن سے آشکار ہوتا ہے انقلابی جدوجہد میں کامیابی کی ناگزیر شرط کو پورا کرنے کے لیے پیدا فرمایا[۲۸]۔

اگر جماعت مخالفانہ چیلنج کو قبول نہ کرے اور اس سلسلے میں استقامت نہ رہے تو انقلابی جماعت کا فناہ ہو جانا ضروری ہے، اگر دوست دشمن کی تمیز ہو جائے تو یہی وہ محرک ہے جو اپنی بقا اور کامیابی کے لیے ہر قیمت ادا کروا دیتا ہے۔

ی:۔ انقلابی قیادت کو ہر ردعمل کے جواب میں جو طرز عمل اختیار کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ مومنوں کی دلنوازی۔ ان کے ایمان کی آبیاری اور انہیں معاشی استحکام عطا کر کے ان کی قوت سے انقلاب برپا کرنے کی حکمت عملی اپنائی جائے۔

منافقوں کی پردہ دری کی جائے۔ اور تالیف قلب کے ذریعے کفار کو جماعت مسلمین میں شامل کرنے کا سامان بہم پہنچایا جائے یا پھر جہاد کے ذریعے انہیں فریق مغلوب بنا کے، بین الاقوامی سطح پر غلبہ حق کا سامان بہم پہنچایا جائے۔

تاریخ گواہ ہے کہ قرآن حکیم کی راہنمائی میں غلبہ دین حق متحقق ہو چکا ہے اور اگر اب بھی ہم حق کے قرآنی مفہوم کا شعور پیدا کر کے ماضی میں اپنی کامیابی کو قرآن اور اس کے عین مطابق سنت کی راہنمائی سے وابستہ کرنے کے بجائے معجزہ کار قیادت سے وابستہ نہ کریں تو آج بھی قرآن کی راہنمائی میں انقلابی اصلاح کے ذریعے عالمی سطح پر ایک فریق غالب کی حیثیت سے ہم دوبارہ ابھر سکتے ہیں۔

انقلابی قوانین اور ان کی وضاحت

جیسا کہ پہلے مذکور ہوا کہ انقلابی قوانین کو بیان کرنے سے قبل یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ارتقا کیا ہوتا ہے؟ اور کیونکر واقع ہوتا ہے؟ نشوونما یا ترقی کا تصور سب سے پہلے ہمارے سامنے وجود نامی کے حوالے سے آتا ہے، وجود نامی (زندہ وجود پودا وغیرہ) کے گہرے تجزیے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں قوت سے فعل کی طرف آنے کا تقاضہ پایا جاتا ہے، اس کے راستے میں کوئی مزاحمت (بیج کے راستے میں مٹی وغیرہ) پائی جاتی ہے، اب اس مزاحمت کی مزاحمت ضروری ہے اور یہی مزاحمت کی مزاحمت اس کی ترقی کی سازگار حالت ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شعوری سطح پر (یعنی انسانی سطح پر) افکار و اقدار کی نشو و نما کا محتاط تاریخی مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اس سطح کے ارتقاء میں جو کچھ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ :

پہلے حقیقت کا ایک پہلو سامنے آتا ہے جس کی نسبت دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ یہی کل حقیقت ہے اس دعوے کے پس پردہ وہ ولولہ ہوتا ہے جو جزوی سچائی کے ادراک کی بدولت پیدا ہوتا ہے ۔

اس (ATTITUDE) کے ردِ عمل میں حقیقت کے اس پہلو کو پیش کرنے کی تحریک ہوتی ہے جس کو نظر انداز کر دیا گیا تھا اور جزوی حقیقت کے ادراک کی بنیاد پر پہلے کی طرح حقیقت کے اس پہلو کو بھی کل سچائی تصور کیا جانے لگتا ہے ۔

اس کے بعد یہ ہوتا ہے کہ متضاد دعوے ایک دوسرے کی نفی کر دیتے ہیں فکری اعتبار سے غلط عناصر منہا کر دیئے جاتے ہیں اور دونوں طرف سے جو مبالغہ کیا گیا تھا وہ دور ہو جاتا ہے اور کل حقیقت سامنے آجاتی ہے ۔ اگر کچھ عناصر نمایاں ہونے سے رہ گئے ہوں تو یہ عمل اپنی تجدید کر سکتا ہے ، فکری ارتقاء کے اس عمل کو ہم جدلیت سے تعبیر کر سکتے ہیں ۔ اگر غور کریں تو اظہر من الشمس ہوگا کہ فکر کی باطنی فطرت اس جدلیت کے صحیح ہونے کی توثیق کرتی ہے ، مناظرے کا یہ انداز افراد کے مابین بھی متصور ہے اور کسی فرد کے باطن میں بھی ارتقاءِ فکر کے حوالے سے یہی کچھ واقع ہوتا ہے ۔

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کے نظریۂ انقلاب کے مطابق قوموں کے عروج و زوال کا انحصار بھی اسی قانون میں مضمر ہے ۔ جو قوم اختلال انگیز مؤثرات حیات کی مزاحمت کرتی ہے کامیابی اسی کو نصیب ہوتی ہے قرآن حکیم جو انقلابی طریق منہاج عطا کرتا ہے اس کا اساسی اصول بھی یہی مزاحمت اور مزاحمت کی مزاحمت کا طریقہ ہے ، ڈاکٹر فاروقی اس اصول کو "کائناتی قانون نشو و نما" کے نام سے موسوم کرتے ہیں ۔

انقلابی قوانین کی تشکیل

وہ قوانین جو اسلامی انقلاب کی ضمانت فراہم کرتے ہیں اور قرآن حکیم نے جن کی تشکیل اور وظیفے کی وضاحت کر کے نسلِ انسانی کو نئی بعثت کی احتیاج سے مستغنی فرمایا ہے تین ہیں یعنی (۱) کائناتی قانون نشو و نما (۲) تاریخ قانون تضاد اور (۳) قانون سعادت و شقاوت ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ کائناتی قانون نشو ونما

کائناتی قانون نشو ونما وہ قانون ہے کہ کائناتی سطح پر اس کی عالمگیر حیثیت ہے، اور اس قانون سے صرف نظر کر کے ترقی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، مقصد کے قریب تر ہونے کا انحصار اسی قانون پر ہے یہ مزاحمت اور مزاحمت کی مزاحمت کا قانون ہے، جس کی تشکیل قرآن حکیم ان الفاظ میں کرتا ہے: جعلنا لکل نبی عدوا من المجرمین (الفرقان: ۳۱) کہ ہم نے پیغمبران حق میں سے ہر ایک کا مجرموں میں سے ایک دشمن پیدا کیا، اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کا مجرموں میں سے ایک دشمن (اکابر مجرمین) اذیت میں رکھنے کے لیے پیدا نہیں فرمایا بلکہ پیغمبرانہ دعوت انقلاب کے غلبے کی بنیادی شرط کو پورا کیا گیا ہے وہ اس طرح کہ جب انبیاء کرام کے دشمن ان کی دعوت کی مزاحمت کرتے ہیں اور پیغمبر اور ان کے متبعین کی جانب سے مجرموں کی مزاحمت ہوتی ہے تو اصحاب حق کامیاب ہوتے ہیں ان میں اعتماد بڑھتا ہے اور وہ مقصد کے قریب تر ہوتے جاتے ہیں۔

جیسا کہ وجود نامی کے ارتقاء اور فکری نشو ونما کے حوالے سے معروض ہوا کہ ارتقاء کا یہ قانون عالمگیر حیثیت کا حامل ہے اور حیاتی و تاریخی سطح پر ہر ارتقاء کے پیچھے اس کی کار فرمائی کا ادراک کیا جا سکتا ہے۔ حق کی جدوجہد کرنے والوں کے مقاصد سے بظاہر مزاحم نظر آنے والی کائنات کو خالق کائنات نے عدم محض سے اہل اللہ کی کامیابی کی شرط کے طور پر یہ وجود بخشا ہے، یہ کائناتی مزاحمت داعیان حق کے خوابیدہ قوا کی تحریک، اور رجوع الی اللہ کے داعیہ کو تقویت دیتی ہے، اور اس طرح انہیں اپنی جدوجہد میں استقامت بھی نصیب ہوتی ہے اور تخلیق بالحق کا ادراک بھی عطا ہوتا ہے۔

قرآن حکیم اس حقیقت کو باین الفاظ بیان کرتا ہے:

ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا۔ یعنی خدا نے زمین میں ہر چیز کو تمہارے نفع کے لیے پیدا فرمایا ہے[۲۹] یہ حقیقت ہے کہ باطل کی مزاحمت کے جواب میں استقامت علی الحق کامیابی کی نوید بن جاتی ہے:

بقول اقبال

تو سمجھتا ہے یہ ساماں ہے دل آزاری کا
امتحاں ہے ترے ایمان کا خودداری کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور

تندئ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

ب۔ تاریخی قانون تضاد

تاریخی قانون تضاد وہ قانون ہے۔ جس کی رو سے تاریخی کشمکش کے نتائج متعین ہوتے ہیں، جیسا کہ قارئین پر واضح ہو گا کہ کائناتی قانون نشو و نما جب انسانی سطح پر واقع ہوتا ہے تو اسی کو تاریخی قانون تضاد کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ قرآن حکیم اس کی تشکیل اس طرح فرماتا ہے:

دو گروہ ہیں جنھیں قرآن حکیم حزب اللہ اور حزب الشیطان سے موسوم کرتا ہے، یہی دو گروہ اصحاب یمین اور اصحاب شمال یا اصحاب میمنہ اور اصحاب میسرہ کہلاتے ہیں، قرآن حکیم کے نزدیک یہی دو گروہ اصحاب حق اور اصحاب باطل متصور ہوتے ہیں جنہیں قرآن خیر البریہ اور شر البریہ کے نام سے بھی موسوم کرتا ہے، ان دونوں گروہوں کے اپنے اپنے مقاصد ہیں، حزب اللہ حق کو غالب کرنا چاہتی ہے اور حزب الشیطان باطل (مزعومہ مفاد پرستی) کو برقرار رکھنا چاہتی ہے، ان دونوں گروہوں کی اپنے اپنے مقصد کے ساتھ دو متضاد وفاداریاں ہوتی ہیں، ان کے پیچھے دو منظم ارادے ہوتے ہیں ایک حزب اللہ (اللہ کے گروہ) کا، دوسرا حزب الشیطان (شیطان، باطل گروہ) کا، ان دونوں ارادوں کے درمیان تصادم ہو کر رہتا ہے۔

ج۔ قانون سعادت و شقاوت

وہ اخلاقی قانون جس کو کوئی شیطانی قوت کبھی شکست نہیں دے سکتی، اور جس میں اس کی ضمانت ہے کہ حزب اللہ ہی غالب ہو کر رہیں گے وہ "قانونِ سعادت و شقاوت" ہے جس کی تشکیل قرآن حکیم بایں الفاظ فرماتا ہے: قد افلح من زکھا، وقد خاب من دسھا۔ (الشمس: ۹، ۱۰)
یعنی وہ فلاح پا گیا جس نے اپنے نفس کو حرص اور لالچ سے پاک کیا اور یقیناً وہ تباہ ہو گیا جس نے اسکو حرص اور لالچ میں مبتلا رکھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس کا نفس حرص و لالچ سے پاک ہو جائے گا وہی دوسروں کو نفع بخشی، فیض رسانی اور نشوونما دے گا اس لیے وہ کامیاب ہوگا، اور جس کا نفس حرص لالچ اور بخل میں مبتلا رہے گا وہی نفع بخشی، فیض رسانی و نشوونما دینے میں رکاوٹ ڈالے گا۔

قوانین انقلاب کی اطلاقی صورت گری

ا۔ افراد ملت قرآن حکیم کے عطا کردہ نصب العین حیات (غلبۂ دین حق) کا شعور پیدا کر کے اس کے حصول کی ارادی جدوجہد کے لیے سرگرم عمل ہو جائیں۔

ب۔ باطل کی طرف سے زندگی کو اس نصب العین کے مطابق نہ ڈھلنے دینے کے لیے مزاحمتی جدوجہد ہوگی، انفرادی سطح پر یہ جدوجہد نفس امارہ کی طرف سے بھی ہوگی، جب کہ اجتماعی و بین الاقوامی سطح حیات پر باطل کی طرف سے واضح خارجی مزاحمت ہوگی۔

ج۔ افراد ملت اس مزاحمت سے مرعوب ہونے کے بجائے حصول نصب العین کے لیے مسلسل منصوبہ بندی یہ سمجھتے ہوئے کریں کہ باطل کی طرف سے یہ مزاحمت ان کی کامیابی کی شرط اولین ہے۔

د۔ افراد ملت کو اس کا بھی یقین کامل ہو کہ کامیابی کے لیے محض تبلیغ کافی نہیں بلکہ نفع بخشی، فیض رسانی اور دوسروں کو نشوونما دینے کا عملی پروگرام اختیار کرنا ناگزیر ہے۔

مؤمنانہ فراست پر مبنی آپ کا نظریۂ انقلاب تاریخ فکر میں ایک نئے باب کا اضافہ ہے۔

تاریخ فکر میں ــــ فکر برہان احمد کا مقام

انسان اشرف المخلوقات اس لیے ہے کہ بفضلہ تعالیٰ وہ نہ صرف اپنے مسائل حیات سے آگاہ ہے بلکہ مسائل کس طرح حل ہوں گے اس کا بھی شعور رکھتا ہے، فکر و فلسفہ کی دنیا میں مسائل حل کرنے کے طریقے کو منہاج کہتے ہیں، اور کون منہاج علم درست ہے اور کونسا غلط اس کی پرکھ علمیات کے ذریعے ہوتی ہے علمیات علم العلم (SCIENCE OF KNOWLEDGE) ہے، جس کا وظیفہ یہ ہے کہ اولاً ان شرائط کو بیان کرے جن پر کسی علم کے علم مدلل ہونے کا انحصار ہے۔ پھر ان شرائط کی روشنی میں جائزہ لے کہ کونسا علم مدلل (KNOWLEDGE OF A DEMONSTRABLE CIRTITUDE

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

منہاجیات کے حوالے سے غور کریں تو واضح ہوتا ہے کہ تاریخ فکر میں دو طرح کے منہاج متعارف ہیں، معروض الاصل (SUBJEC ORIENTED) اور موضوع الاصل (OBJECT ORIENTED) معروض الاصل منہاج میں جستجو کا آغاز خارج سے کیا جاتا ہے ناظر (انسان) کی استعدادات کا جائزہ نہیں لیا جاتا جبکہ موضوع الاصل الخوارزی میں مسائل کی طرف متوجہ ہونے سے پہلے انسان کی اس آرزو کا تعین کیا جاتا ہے جو خارج کی طرف ارتکاز توجہ کا باعث بنی پھر انسان کی ان استعدادات کی تحلیل کی جاتی ہے جن پر مسائل کے حل کا انحصار ہوتا ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ انسانی استعدادات کس حد تک انسان کی آرزوؤں کی تکمیل میں ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔

معروض الاصل منہاج میں دو مؤقف سامنے آتے ہیں عقلیت [1] (RATIONALISM) اور حسیت [2] (EMPRICISM) عقلی منہاج کا بنیادی اصول یہ ہے کہ عقل اور فقط عقل ہی انسانی مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت تامہ رکھتی ہے، حواس کے ذریعے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ غیر یقینی ہوتا ہے لہٰذا اس کی حیثیت فکر ژولیدہ (CONFUSED THOUGHT) سے زیادہ نہیں، اس مؤقف کو مان لینے میں خرابی یہ ہے کہ معقول فی الذہن کی صفات (ذہنی، کلی، قدیم، بسیط، مطلق) کی رو سے عالم خارجی کا انکار ہو جاتا ہے، اگر عالم خارجی کا انکار ہو جائے تو نہ علم ممکن رہے نہ مذہب نہ اخلاق، پھر علمی حل ایسا نہیں ہوتا کہ بعض کے لیے قابل عمل ہو اور بعض کے لیے قابل عمل نہ ہو بلکہ علمی حل میں ہر ایک کے لیے یکساں نتائج کی ضمانت موجود ہوتی ہے، اگر ایسا نہ ہو تو وہ رائے، مفروضہ یا ذاتی نظریہ تو ہو سکتا ہے علم مدلل نہیں، جب کہ تاریخ فکر کا مطالعہ کرنے والے احباب بخوبی جانتے ہیں کہ اس منہاج فکر کے ماننے والے (ڈیکارٹ، اسپنوزا اور لائبنیز وغیرہ) خود یکساں نتائج تک نہ پہنچ سکے۔

حسیت (EMPRICISM) عقلیت کا جوابی ردعمل ہے، اس موقف کی رو سے علمی مسائل اور ان کے حل کی صلاحیت فقط حواس کی ملکیت ہے، جن امور (قضایا) کو ہم عقلی کہتے ہیں وہ دراصل ہمارے عمومی تجربات ہوتے ہیں، ہر معلول کی ایک ہی علت نہیں ہوتی، جس کو ہم علت کہہ دیتے ہیں وہ ایک الگ واقعہ ہے اور معلول ایک واقعۂ دگر، لیکن اس طرح تو علم یقینی محال ہو جائے گا جبکہ علم تو نام ہی اس کلی یقینی قضیے کا ہے جس کے متوازی حقیقت ویسی ہی ہو جیسی کہ قضیے میں بیان ہوئی تھی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر خود اس منہاج کے ماننے والے بھی یکساں نتائج تک نہ پہنچ سکے مثلاً لاک، برکلے اور ہیوم کے نتائج میں اختلاف، ہیوم نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ علم یقینی محال ہے۔[۳۵]

موضوع الاصل انکوائری

انسان چونکہ زیادہ دیر تشکیک میں مبتلا نہیں رہ سکتا لہٰذا کانٹ کی بدولت فکر و فلسفہ کی دنیا میں انقلاب آنا ایک فطری امر تھا، جیسا کہ پہلے مذکور ہوا معروض الاصل انکوائری کا آغاز ناظر (عالم) کے بجائے منظور (کائنات) سے ہوا اور مسائل یہ تھے (۱) یہ کائنات کیا ہے (۲)؟ اس میں انسان کا مقام و منصب کیا ہے اور (۳) اس مقام و منصب کے حوالے سے اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ بالفاظ دیگر سوال کا تعلق "کیا ہے"؟ کے جواب تک تھا، کانٹ نے آغاز جستجو کائنات کے بجائے انسان سے کیا اور وہ سوال اٹھاتا ہے کہ انسان کیا ہے؟ انسان ایک بامقصد عملیت ہے جس کو ان غایات کے حوالے سے سمجھا جا سکتا ہے[۳۲] جن کی بنیاد پر وہ خارج کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اور کانٹ جن کو صورِ شعور سے تعبیر کرتا ہے، اور بنیادی صور شعور چار ہیں۔ (۱) مذہب (۲) علم (۳) آرٹ اور (۴) اخلاق، اس کے بعد کانٹ اپنی جستجو کو اس طرح بڑھاتا ہے کہ پہلے انسانی شعور میں جو نصب العین ہے اس کا تعین کرتا (DETRMINATION) ہے مثلاً وہ سوال اٹھاتا ہے مذہب کیا ہے؟ علم کیا ہے؟ آرٹ کیا ہے؟ اخلاق کیا ہے؟ پھر ان شرائط کو بیان کرتا ہے جو ان آرزوؤں کی تکمیل کو قابل فہم بناتی ہیں، یعنی ان صور شعور میں مضمر العینوں کے حصول کے لیے انسان کے پاس کیا ہونا چاہیے؟ اور کانٹ انسان کی استعدادات کا تجزیہ کرتا ہے جن پر نصب العین کا قابل فہم ہونا متصور ہو سکے، جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ کانٹ اپنی انکوائری کا آغاز انسان سے کرتا ہے تو مجھے کہنے دیجئے کہ انسان کی بنیادی آرزو (صور شعور میں مضمر نصب العین) کے تعین سے ہست (IS) کا تعین ہو جاتا ہے اور عقلاً انسانی آرزو کے پورا ہو سکنے کی قابل فہم شرائط کا بیان 'باید' (OUGHT) ہے کہ اگر انسانی استعداد کے حوالے سے فلاں (جو بھی کانٹ بیان کرے) معیار کا لحاظ رکھا جائے تو انسانی آرزو کی تکمیل قابل فہم ہو سکتی ہے۔ یعنی فکر انسانی میں ارتقاء یہ ہوا کہ انسانی آرزوؤں کے حوالے سے معروض الاصل انکوائری کی طرح محض، کیا ہے؟ تک محدود نہ رہی بلکہ صور شعور میں مضمر نصب العینوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے تعین سے کیا ہے؟ کا صحیح صحیح جواب بھی فراہم ہو گیا اور کیا ہونا چاہیے؟ کے حوالے سے ان شرائط کی نشاندہی ہو گئی جن کا لحاظ رکھے بغیر انسانی آرزو کی تکمیل قابل فہم نہیں ہو سکتی، لیکن قابل فہم ہونا ایک بات ہے اور بطور امر واقعہ آرزو کا پورا ہو کے رہنا دوسری بات، بالخصوص عملی نصب العین (اخلاق) کے حوالے سے محض صحیح صحیح فہم پیدا کر لینا کافی نہیں، بلکہ انسان کی ضرورت اس سے زیادہ کی ہے اور وہ یہ ہے کہ زندگی فضائل حیات کے نمونے پر کیونکر ڈھل کے رہے؟ ڈاکٹر فاروقی کے الفاظ میں جو کچھ ہونا چاہیے وہ کیسے ہو کر رہے؟

تاریخ فکر کا مطالعہ رکھنے والے احباب کانٹ کے بعد فکر جدید (MODERN THOUGHT) ترقی معکوس (تنزل) کے جس سفر پر رواں دواں ہے سے بخوبی واقف ہیں، ڈاکٹر فاروقی وہ مرد قلندر ہیں جو اپنی مومنانہ بصیرت کی بنیاد پر تیسرے سوال کا یعنی جو کچھ ہونا چاہیے وہ کیسے ہو کر رہے؟ کا ایسا حل پیش کرتے ہیں جس کو علمی بنیادوں پر ٹھکرایا نہیں جا سکتا۔

فکر برہانی کی روشنی میں — علمیات کے موضوع کی تکمیل

جیسا کہ مذکور ہوا علمیات علم العلم ہے جس کا وظیفہ یہ جانچنا ہے کہ کونسا علم۔ علم مدلل ہے اور کونسا علم علمیات کی شرائط پر پورا نہ اتر سکنے کی وجہ سے علم مدلل ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا، انسانی شعور میں تین سوالات مضمر ہیں کیا ہے؟ کیا ہونا چاہیے؟ اور جو کچھ ہونا چاہیے وہ کیسے ہو کر رہے؟ یہ تینوں سوالات در اصل ایک دوسرے سے متمیز تین نمونہائے علم سے متعلق ہیں، یعنی واقعی معیاری اور غائی علم، غائی علم ہیت اور بائید (IS AND OUGHT) کے درمیان خلیج کو پاٹنے کی حتمی قطعی ٹیکنیک ہے، یعنی ایصال الی المطلوب اسی کو ہدایت کہتے ہیں، ڈاکٹر فاروقی کہتے ہیں کہ قرآن حکیم کا اپنی نسبت دعویٰ ہے کہ وہ ہدایت کاملہ ہے لہٰذا تیسرے سوال کا جواب بطور امر واقعہ فقط ہدایت قرآنی کی پیروی سے میسر آئے گا یعنی زندگی فضائل کمال کے نمونے پر ڈھلے گی تو فقط قرآنی ہدایت کی پیروی سے، قرآن علم غائی ہے، یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ قرآن کی پیروی سے ماضی میں زندگی نمونۂ فضائل پہ ڈھل کے رہی۔ لہٰذا اب بھی قرآن حکیم کی پیروی سے تجربی توثیق و شہادت کی بنیادی زندگی فضائل حیات سے متصف ہو کر رہے گی۔ بالفاظ دیگر ڈاکٹر فاروقی اپنے نظریے کا محتویٰ ( ) بھی مہیا کرتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واقعی معیاری اور غائی علم کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے ہمیشہ اپنی اصطلاحوں میں غور فرمایا ہے، آپ کی انکوائری موضوع الاصل ضرور رہے لیکن کافرانہ نقطۂ نگاہ سے آپ کبھی مرعوب نہ ہوئے۔

استاد محترم نے واقعی علم کے حوالے سے انسانی آرزو کا مداوا صرف قرآن حکیم کے عطا کردہ نظریۂ علم کی بنیاد پر فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں قرآن پاک کی رو سے علم مسمیٰ (منظور) کی شناخت کا نام ہے، اور تعلیم آدم کے حوالے سے غور کریں تو پتہ چلے گا کہ منظور (مسمیٰ) موجود فی الخارج ہے اور یہ شناخت ہوگی اسم کے ذریعے جو خدا نے انسان کو ودیعت فرمائے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اس مرحلے پر بھی کانٹ کی طرح محض شرائط علم نہیں بیان فرماتے بلکہ حقیقت کے علم یقینی کی حتمی قطعی ضمانت دیتے ہیں اور فکر برہانی کی رو سے انسان کی حقیقت کے باب میں علمی آرزو کے پورا ہونے کے رہنے کی ضمانت اس میں ہے کہ ربنا ما خلقت ھذا باطلاً۔ (اے ہمارے رب تو نے یہ عالم باطل تخلیق نہیں کیا۔ القرآن) کے مومنانہ موقف کو اپنایا جائے۔

اخلاقی آرزو یعنی انسان کے عملی نصب العین کے حوالے سے بھی فکر برہانی کی اٹھان قرآن سے ہوتی ہے، فرماتے ہیں بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ، اور فالھمھا فجورھا وتقوٰھا (آیتان) کی رو سے خیر کیا ہے؟ فضیلت کیا ہے؟ اس کا ادراک انسان کو بالذات ہے، لیکن زندگی اخلاقی نمونے پر ڈھلے گی تو فقط اتباع وحی سے، علمیات کی رو سے علم مدلل کی شرائط یہ ہیں کہ وہ علم جس کو علم مدلل ہونے کا دعویٰ ہو درج ذیل شرائط پوری کرے یہ کہ مبدأ۱ علم، ماہیت۲ علم، موضوع۳ علم، موضوع۴ سے متعلق مسائل علم کی وضاحت کرے، طریقۂ۵ حل مسئلہ، ۶ وظیفہ علم، ۷ مضمرات علم اور حدود۸ صحت کی وضاحت کرتے ہوئے ۹ زندگی پر اثرات علم کی وضاحت کرے، ڈاکٹر فاروقی علمیات کی تمام شرائط کو پورا کرکے ثابت کرتے ہیں کہ قرآن ہی علم غائی ہے اور علمیات کا موضوع بن سکنے کی صلاحیت رکھتا ہے لہٰذا حصول کمال فقط قرآن سے میسر آنے والے علم کی پیروی سے ہو سکے گا۔ قرآن سے میسر آنے والی ہدایت کی بطور علم غائی صورت گری بایں طور ہوگی؛ قرآن علم غائی ہے کیونکہ:

۱۔ اس کا مبدا وحی ہے۔

۲۔ ماہیت کے اعتبار سے غایت بعثت محمدی کی تکمیل کے لیے اس کا نزول ہوا لہٰذا یہ علم غائی ہے۔

۳۔ اس کا موضوع غایت عالیہ (مقصود بعثت) کا حصول ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴ - اصل مسئلہ یہ ہے کہ زندگی مقصودِ بعثت کے مطابق ڈھلے کیونکر۔

۵ - اس کا طریقہ سنۃ اللہ ہے، یعنی دو گروہ ہوں، جن کے دو متضاد مقاصد ہوں، محمدی گروہ حق کو غالب کرنا چاہتا ہے اور باطل حق کو مغلوب، ان دو گروہوں کی دو متضاد اپنے اپنے مقاصد کے ساتھ وفاداریاں ہوں، ان دو گروہوں کے دو مستقل پروگرام ہوں محمدی (حزب اللہ) جماعت حق (نفع بخشی) فیض رسانی اور نشو و نما دنیا) کے لیے پروگرام مرتب کرے اور باطل حق (نفع بخشی، فیض رسانی اور نشو و نما دنیا) کو مغلوب کرنے کا پروگرام بنائے، ان دو جماعتوں کے دو متضاد ارادے ہوں (ایک حق کو غالب کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور دوسرا حرص لالچ اور بخل کے غلبہ کی وجہ سے حق کو غالب نہ ہونے دینے کا ارادہ رکھتا ہو) ان ارادوں میں تصادم ہو کر رہے گا اور اہلِ حق (حزب اللہ) اس لیے کامیاب ہوں گے کہ نفع بخشی، فیض رسانی اور نشو و نما دنیا ہی قرآن حکیم کی روشنی میں حق متحقق ہوتا ہے ( ) لہٰذا اس اخلاقی اصول کو کوئی شیطانی طاقت شکست نہیں دے سکتی، کامیابی اسی نظام، جماعت اور گروہ کی ہوگی جس میں جس قدر زیادہ نفع بخشی، فیض رسانی اور نشو و نما کی گنجائش ہوگی۔

۶ - قرآنی ہدایت کا وظیفہ مقصودِ بعثت (غلبۂ دینِ حق) کا تحقق ہے۔

۷ - قرآنی ہدایت کے مضمرات یہ ہیں۔ (ا)۔ ایک طرف مقصود (غلبہ حق) ہو۔ (ب) دوسری طرف سے باطل کی مزاحمت (الانعام: ۱۲۳) (ج)۔ باطل کی مزاحمت کی مؤمنین مزاحمت کریں گے تو ان کو کامیابی ہو کے رہے گی جس کی ضمانت حق کے قرآنی مفہوم سے فراہم ہوتی ہے۔ (کہ کامیابی اہلِ حق کا نصیبہ ہے، الشمس: ۹، ۱۰)

۸ - قرآن کی انقلابی ہدایت سے کیا ہے؟ (POSITIVE KNOWLEDGE) اور کیا ہونا چاہیے؟ (NORMATIVE KNDGE) ایسے سوالات کے لیے رہنمائی طلب کی جائے اور زندگی میں اسلامی فضائل کے پیدا ہونے کی ہدایت نہ طلب کی جائے تو قرآنی ہدایت سے مطلوبہ نتائج (مقصود کو موجود بنانا) حاصل نہ ہو سکیں گے۔

۹ - قرآنی ہدایت سے میسر ہونے والے علم سے مقصود حاصل ہو کے رہے گا یعنی زندگی کو جس نمونے پر ڈھلنا چاہیے ڈھل کے رہے گی کہ قرآنی ہدایت کا مقصودِ نزول یہی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چیلنج ہیں ہم جہاں کے لیے

ڈاکٹر فاروقی تشکیل و ترتیب نظریہ کے بعد تاریخ اسلام کو بطور محتوی (CONTENT) پیش کرتے ہیں، یعنی اپنے نظریے کی واقعیت کا ثبوت تاریخ اسلام کے دور نبوی کو قرار دیتے ہیں[۳۳] تزک بابری کی طرح مطالعۂ واقعات کے بجائے اگر سیرت الرسول کا مطالعہ مقصود بعثت (غلبۂ حق) کے حوالے سے کیا جائے تو واضح ہوگا کہ مکی دور میں قرآنی ہدایت کی پیروی سے انفرادی زندگی میں انقلاب برپا ہوگیا، اور مدنی دور (ہجرت سے حجۃ الوداع تک) اجتماعی و بین الاقوامی سطح حیات کے انقلاب کی بہترین مثال ہے، آج قرآنی ہدایت سے انحراف کے نتیجے میں ہم زوال کے تجربات سے ایسے ہی گذر رہے ہیں جس طرح اسکی پیروی سے ارتقاء کے تجربے سے گذرے تھے۔ قرآن اور اس کے عین مطابق نمونۂ کمال (سنت رسول) کی اتباع سے آج بھی ہمارا زوال ارتقاء میں تبدیل ہوسکتا ہے، اسلامی انقلاب متحقق ہوسکتا ہے باطل نظام ہمارے لیے نہیں بلکہ ہم اس کے لیے چیلنج ہیں لیکن اگر اسلام کی دوستی کا دم بھرنے والے اپنی اسلام دوستی میں کم مخلص ہوں اور اسلام دشمن عناصر اپنی اسلام دشمنی میں زیادہ مخلص ہوں تو یہ اعتماد فنا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے[۳۴]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

۱ ۔

۲ ۔ سورۃ اللیل : ۵ ، ۱۵

۳ ۔ منہاج القرآن از ڈاکٹر برہان احمد فاروقی ۔

۴ ۔ قرآن اور مسلمان کے زندہ مسائل از ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

۵ ۔ منہاج القرآن / علم مکمل و علم مدلل از ڈاکٹر برہان احمد فاروقی (غیر مطبوعہ) ترتیب و توضیح از خضر یٰسین ۔

۶ ۔ النساء : ۱۶۳ تا ۱۶۶

۷ ۔ الاحزاب : ۴۰

۸ ۔ الفتح : ۲۸

۹ ۔ المزمل : ۱۹

۱۰ ۔ زخرف : ۴۴

۱۱ ۔ یوسف : ۱۰۴

۱۲ ۔ التین : ۴

۱۳ ۔ القیامہ : ۱۴، ۱۵

۱۴ ۔ الاعراف : ۱۷۲

۱۵ ۔ الاحزاب : ۷۲

۱۶ ۔ الفجر : ۲۸ ، ۲۹ ، ۳۰

۱۷ ۔ الاسراء : ۶۷

۱۸ ۔ النساء : ۶۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹ - البقرہ : ۱۴۳

۲۰ - النساء : ۱ ، نیز البقرہ : ۲۱۳ ، یونس : ۲ ، الانبیاء : ۹۳

۲۱ - آل عمران : ۱۱۰

۲۲ - البقرہ : ۳۸، ۳۹

۲۳ - النساء : ۶۵

۲۴ - الاعراف : ۱۵۸

۲۵ - النساء : ۸۰

۲۶ - المائدہ : ۵۶

۲۷ - بنی اسرائیل : ۸۱

۲۸ - الانعام : ۱۱۲

۲۹ - البقرہ : ۹

۳۰ - کلیات اقبال اردو

۳۱ - REALSMBY . S . HUSSAN

۳۲ - حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریۂ توحید از ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

۳۳ - عصر حاضر کا چیلنج اور اس کے جواب کی شرط از ڈاکٹر برہان احمد فاروقی (غیر مطبوعہ)

۳۴ - پاکستان کی بقا کیسے ممکن ہے از ڈاکٹر برہان احمد فاروقی (غیر مطبوعہ)

۳۵ - PHLOSOPHYCRITIQUE BY SYED ZAFR-UL-HUSSAN

۳۶ - علامہ اقبال کی تشکیل جدید کا انتقادی جائزہ از ڈاکٹر برہان احمد

۳۷ - علمی بنیادوں پر مسائل امت کا حل از طارق محمد اعوان (راقم الحروف)

۳۸ - PELISM BYDR-S-Z-HUSSAN

۳۹ - مرقاۃ شرح مشکوٰۃ

۴۰ - الصحیح البخاری

۴۱ - اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان از فواد باقی

© rasailojaraid.com